وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ‌ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ○ (۴/النساء ۱۱۳)

منکرینِ حدیث

کی مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات

حافظ جلال الدین القاسمی

(فاضل دارالعلوم دیوبند۔ ایم اے میسور یونیورسٹی)

تخریج وتحقیق

مولانا محمد ارشد کمال

تقدیم ونظرثانی

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

مکتبہ افکار اسلامی

﴿وَ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ۝۱۱۳﴾ (٤/ النساء:١١٣)

منکرینِ حدیث کی

مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات

تالیف

حافظ جلال الدین قاسمی

فاضل دار العلوم دیوبند، ایم اے میسور یونیورسٹی (انڈیا)

تخریج وتحقیق

مولانا محمد ارشد کمال

تقدیم ونظر ثانی

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

مکتبہ افکارِ اسلامی

نام کتاب	:	منکرینِ حدیث کی مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات
صفحات	:	۷۲
مؤلف	:	حافظ جلال الدین قاسمی
تخریج وتحقیق	:	مولانا محمد ارشد کمال
تقدیم ونظر ثانی	:	ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن
اشاعت اول	:	اگست ۲۰۱۴ء
تعداد	:	۱۱۰۰
مطبع	:	مکتبہ اسلامیہ پرنٹنگ پریس، لاہور
ناشر	:	مکتبہ افکارِ اسلامی



مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 37232369 - 042-37244973

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 2641204 - 041-2631204

E-mail:maktabaislamiapk@gmail.com www.facebook.com/maktabaislamiapk

فہرست مضامین

تقدیم

(منکرینِ حدیث کے اشکالات پر طائرانہ نظر)

اسلام میں داخل ہونے کے لیے قرآن ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص حدیث کا انکار کر دے تو اس سے قرآن کا انکار لازم آتا ہے۔ مگر مستشرقین کے پیدا کردہ شبہات سے بعض مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

ان کے چند اہم اشکالات کا اجمالی خاکہ مع جوابات ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

(ا) **اشکال**:......قرآن ہی کافی ہے، حدیث کی کیا ضرورت ہے؟

جواب:......قرآن کافی ہونے سے یہ مراد نہیں کہ حدیث وسنت کی ضرورت نہیں۔ قرآن نے خود حدیث وسنت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

(ا) **اشکال**:......قرآن میں وحی کی پیروی کرنے کا تذکرہ ہے اور وحی صرف قرآن ہے!

جواب:......وحی صرف قرآن نہیں۔ قرآن کے علاوہ وحی کا ثبوت قرآن میں بھی ہے۔

(۳) **اشکال**:......قرآن میں کل شیء (ہر چیز) کی تفصیل اور وضاحت ہے لہٰذا حدیث کی کیا ضرورت ہے؟

جواب:......قرآن میں تمام شرعی اُمور کی تفصیل اور وضاحت نہیں ہے، مثلاً ارکانِ اسلام۔ کل شیء کا معنی ومفہوم سیاق وسباق سے متعین کیا جائے گا۔

(۴) **اشکال**:......قرآن کی تفسیر کے لیے اگر حدیث کی ضرورت ہو تو پھر قرآن کو حدیث کا محتاج ماننا پڑے گا!

جواب:......قرآن سمجھنے کے لیے نہ صرف حدیث بلکہ دیگر وسائل کی بھی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر قرآن میں ہی یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ آپ قرآن کی وضاحت کریں اور قرآن

کی تعلیم دیں۔

(۵)**اشکال**:......حدیثی تفسیر کو تسلیم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن نبی کی خواہش کے مطابق نازل ہوا ہے!

جواب:......آپ کی خواہش شریعت کے تابع تھی، کوئی غلط چیز یا شیطانی وسوسہ آپ پر اثر انداز نہ ہوسکا۔ آپ کی پسند کے مطابق حکم نازل ہونا قرآن سے بھی ثابت ہے۔

(۶)**اشکال**:......احادیث میں نبی ﷺ کے بھولنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا حدیث پر اعتبار کیونکر ہوسکتا ہے؟

جواب:......انبیاء علیہم السلام کے نسیان سے دین و شریعت پر کوئی حرف نہیں آتا، یہ نسیان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔

(۷)**اشکال**:......قرآن کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے کی ہے جبکہ احادیث انسانوں کی تحریر کردہ ہیں اور سُن سُنا کر لکھی گئی ہیں!

جواب:......حدیث کی بھی اُسی طرح حفاظت ہوئی جس طرح قرآن کی ہوئی ہے۔ قرآن کی حفاظت بھی انسانوں کے ذریعے کی گئی۔

(۸)**اشکال**:......بہت سی احادیث قرآن کے خلاف ہیں۔ احادیث کو قرآن پر پیش کیا جائے، جو قرآن کے مطابق ہوں وہ تسلیم کرلی جائیں اور دیگر کو مسترد کردیا جائے۔

جواب:......کوئی صحیح حدیث قرآن کے خلاف نہیں۔ احادیث کو قرآن پر پیش کرنا ثابت نہیں۔ مسلمان ایسی بہت سی احادیث کو صحیح مانتے ہیں جو ظاہری طور پر قرآن کے خلاف دکھائی دیتی ہیں۔

(۹)**اشکال**:......احادیث کی بنا پر تفرقہ بازی پھیلتی ہے!

جواب:......احادیث پر عمل کرنے سے اختلاف ختم ہوتا ہے جبکہ انہیں تسلیم نہ کرنے سے تفرقہ بازی پھیلتی ہے، کیونکہ دریں صورت ہر کوئی من مانی تفسیر کرنے لگتا ہے۔

(۱۰)**اشکال**:......احادیث اگر من جانب اللہ ہوتیں تو اِن میں تضاد نہ ہوتا!

جواب:......صحیح احادیث میں باہمی کوئی تضاد نہیں۔ظاہری تضاد تو قرآنی آیات میں بھی ہے۔

(۱۱)**اشکال**:......احادیث تو نبی ﷺ سے صدیوں بعد لکھی گئی تھیں وہ حجت کیسے ہوسکتی ہیں نیز احادیث لکھنے سے منع کیا گیا تھا تو لوگوں نے احادیث کیوں لکھیں؟

جواب:......احادیث عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں بھی لکھی جاتی تھیں، مثلاً شرائطِ صلح حدیبیہ، خطوطِ نبوی، مسند ابو ہریرہ، صحیفہ صحیحہ وغیرہ۔

(۱۲)**اشکال**:......احادیث بالمعنی روایت کی گئی ہیں اِن پر اعتبار کیسے کیا جاسکتا ہے!

جواب:......بعض احوال میں روایت بالمعنی کی اجازت ہے۔روایت بالمعنی کا اُصول قرآن سے بھی ثابت ہے۔

(۱۳)**اشکال**:......احادیث اخبارِ آحاد بھی ہیں انہیں کیسے درست تصور کیا جاسکتا ہے؟

جواب:......خبرِ واحد کو تسلیم کرنے کا ثبوت قرآن سے بھی ملتا ہے۔شخص بااعتبار ہو تو بسا اوقات اس کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسی قسم کی کئی اور مغالطہ انگیزیاں اور اشکالات ہیں۔

مؤلف ایک ثقہ عالم دین ہیں۔آپ نے دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت کے بعد میسور یونیورسٹی (ہندوستان) سے اردو میں ایم اے بھی کیا ہے۔کئی زبانوں پر آپ کو دسترس حاصل ہے۔علمی و ادبی حلقوں میں آپ کی شخصیت اور دینی خدمات کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

شیخ جلال الدین قاسمی نے فتنۂ انکارِ حدیث کے موضوع پر اختصار و جامعیت کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔اس کتاب میں ان اشکالات و شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے جنہیں عام طور پر منکرین حدیث عوام میں بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کر کے انھیں گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔آپ نے منکرینِ حدیث کی طرف سے پیش کیے جانے والے بہت سے اعتراضات اور اشکالات کے تسلی بخش جوابات دیے ہیں۔طالبِ حق کے لیے اس کتاب میں راہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔یہ کتاب ان کے پیش کردہ اشکالات و شبہات کا قلع قمع کرنے کے لیے ممد ومعاون ثابت ہوگی۔ان شاءاللہ

اس نسخے کو تخریج، تحقیق، تقدیم، اضافہ جات اور نظرِ ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے، تخریج و تحقیق مولانا محمد ارشد کمال حفظہ اللہ نے کی ہے۔ جس سے کتاب کی افادیت اور استنادی حیثیت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

اس تالیف کو پہلی بار برادرم عاصم عبداللہ، فیت والا پبلی کیشن ہاؤس (انڈیا) کی طرف سے شائع کیا گیا، لہٰذا اِس سلسلے میں خشت اول رکھنے کا سہرا اُنہی کے سر ہے۔

اس اشاعت کے فوراً بعد تخریج و تحقیق کے ساتھ اسے مکتبہ افکارِ اسلامی کی طرف سے شائع کیا گیا۔ اس اشاعت کی اضافی خوبیاں درجِ ذیل ہیں:

۱۔ کتاب کا نام مؤلف کی اجازت سے 'حجیت حدیث در موقف انکارِ حدیث' کی بجائے 'منکرین حدیث کی مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات' رکھا گیا۔

۲۔ پروف ریڈنگ کی اغلاط کی تصحیح کی گئی، نیز الفاظ اسکو، اسکی، اسکے، انکو، انکی، انکے، ہونگے، جائیگا اور کیلئے وغیرہ کو بالترتیب اسے، اس کی، اس کے، انھیں، ان کی، ان کے، ہوں گے، جائے گا اور کے لیے وغیرہ کی شکل میں الگ الگ لکھا گیا۔

۳۔ آیات کی کمپوزنگ کی بجائے قرآن کی اصل کتابت لگائی گئی، کیونکہ کمپوزنگ میں بعض الفاظِ قرآنی صحیح نہیں لکھے جاتے نیز بڑی مد بھی کمپوزنگ میں نہیں آتی۔

۴۔ تمام آیات کے حوالہ جات درج کیے گئے، دیگر اضافی حوالہ جات بھی دیے گئے، نیز سورتوں کے نمبر شمار بھی لکھ دیے گئے۔

۵۔ بعض آیات و احادیث کا اردو ترجمہ نامکمل تھا جسے مکمل کیا گیا۔

۶۔ قولی احادیث پر اعراب لگائے گئے۔

۷۔ احادیث کی تخریج و تحقیق کی گئی۔

۸۔ بعض اہم تعلیقات لگائی گئیں اور کچھ مقامات پر معمولی حک و اضافہ بھی کیا گیا۔

۹۔ نبی ﷺ پر جادو سے متعلق ایک اہم اضافہ بھی کیا گیا، یہ اضافہ راقم الحروف کے پی ایچ ڈی کے مقالے سے لیا گیا ہے۔

۱۰۔ ایک تقدیم (جو آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں) کا اضافہ کیا گیا، جس میں منکرین حدیث کے چند بنیادی اشکالات کو مختصر طور پر سوالاً جواباً پیش کیا گیا (جو کہ دراصل راقم الحروف کے ایک لیکچر کا خلاصہ ہے جو چند سال قبل بدوملہی ضلع نارووال میں دیا گیا تھا۔)

۱۱۔ علامات ؒ ؓ ؑ ؐ وغیرہ کو حتی الامکان مکمل اور طغروں کی شکل میں لکھا گیا۔

۱۲۔ بعض عنوانات کی ترتیب میں بھی معمولی تقدیم وتاخیر کی گئی۔

اس اشاعت کے مزید لفظی ومعنوی محاسن کا اندازہ قارئین کرام ہی لگا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف، محقق، راقم الحروف اور جملہ معاونین کی اس محنت اور کاوش کو قبول کرے۔ آمین

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن



تصدیر

تاریخ کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت ہدایت اپنے بندوں کو عطا کرنے کے لیے جو انتظام کیا وہ ہمیشہ دو چیزوں پر مشتمل تھا: (۱) الرسول۔ (۲) الکتاب۔

دین کی مستقل تشریعی بنیادیں یہی دو ہیں۔ قرآن فضیلت اور تلاوت میں حدیث پر مقدم ہے، مگر حجیت میں کتاب وسنت مساوی اور متوازی ہیں۔ دونوں اصلوں کے حجت مستقلہ ہونے کے باوجود دونوں میں باہم اتنا ہی فرق ہے کہ کتاب اصل کلی ہے اور حدیث اس کا بیان ہے جس طرح عالم کی مراد علم آشنا اور صناع کی مراد صنعت آشنا ہی سمجھ سکتا ہے، اسی طرح کلام رب کو ایک رب آشنا ہی سمجھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو بات کہنی ہے اس کا واسطہ الرسول ہی ہے۔ الکتاب نے ہمیشہ بنیادی فکر پیش کی ہے اور الرسول نے اس فکر کے مطابق عملی زندگی کا مظاہرہ کیا۔ الکتاب نے بنیاد فراہم کی اور الرسول نے عمارت اٹھائی، ہدایت کے حصول کے لیے جتنی اہمیت الکتاب کی ہے اتنی ہی الرسول کی ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے منفک نہیں کیا جاسکتا۔ نبی ﷺ کا اسوہ (حدیث) ایک ایسا فانوس ہے جو ہزاروں مجلی آئینوں سے منعکس ہوتا ہوا ہمارے سامنے آتا ہے۔ آپ ﷺ کا اسوہ اختیار کرنے کے لیے سب سے آگے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئے۔ مبینِ کتاب کے اسوہ سے مزین یہ گلشنِ رسالت کے وہ عنادل تھے جنہوں نے اس طرز فغاں کا پورا ریکارڈ محفوظ کیا اور ہم تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس مشن کے لیے منتخب کیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث کو بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا مستند وسیلہ بنے۔

تدوین حدیث کا آغاز عہد رسالت ہی سے ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے بیان کے

مطابق ۵۲ کے قریب صحابہ تھے جن کے پاس تحریری شکل میں احادیث موجود تھیں۔ پہلی صدی کے اواخر تک اسلام عجمی تصورات سے محفوظ رہا۔ دوسری صدی کے آغاز میں ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں جہم بن صفوان ظاہر ہوا۔ اس نے صفات باری کا انکار کیا۔ پھر دوسری صدی میں خوارج نے حدِّ رجم کا انکار کیا کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے!

انکارِ حدیث کے بارے میں پہلا فرقہ معتزلہ کا ہے۔ وہ وہی احادیث تسلیم کرتے تھے جو اُن کی عقل پر پوری اترتی تھیں۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ محمد ﷺ قرآن پہنچانے پر مامور کئے گئے تھے۔ انھوں نے جو کہا اور کیا وہ ہمارے لئے حجت نہیں۔ مگر یہ فتنہ کچھ عرصہ میں روبہ زوال ہوگیا۔

تیرہویں صدی میں اس فتنہ نے پھر سر اٹھایا۔ پیدائش کی جگہ برصغیر پاک و ہند تھی۔ سرسید احمد خاں، عبداللہ چکڑالوی، احمد دین امرتسری، اسلم جیراجپوری اس کے علمبردار بنے اور غلام احمد پرویز نے اسے ایک منظّم مکتبِ فکر کی بنیاد دی۔

رفتہ رفتہ علم فروش اور بے ضمیر علماء اور عقلیت کے چاک پر نو بہ نو پیکر تراشنے والوں اور تفقہ کی خراد پر شریعت کے مقاصد اور تقاضوں کو چھیلنے اور مخالفِ دین امور کو اِسلامی رنگ میں رنگنے والوں کی مارکیٹ کھل گئی۔

مستشرقین میں ولیم میور اور گولڈزیہر نے حدیثوں کو مشکوک بنانے کا بیڑا اُٹھایا۔ انھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ حدیث لکھنے کا کام نبی ﷺ کی وفات کے نوے سال بعد شروع ہوا۔ منکرینِ حدیث نے کہا کہ حدیثیں دوسو برس بعد لکھی گئیں۔ لہٰذا احادیث حجتِ شرعیہ نہیں۔

علمائے ربانیین میں سب سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس فرقہ ضالہ کی طرف خصوصی توجہ کی اور الرسالة میں قرآن حکیم سے احادیث نبویہ کا مستند اور قابل حجت ہونا ثابت کیا اور دسویں صدی میں جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خاص اسی موضوع پر مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة کے نام سے مستقل کتابچہ تصنیف کیا۔ اس کے بعد بے شمار علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ انھوں نے ثابت کیا کہ قرآن ایمان باللہ اور اس کے ساتھ ہی ایمان بالرسول کے حکم سے بھرا پڑا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بحق الوہیت اور نبی پر

بحق نبوت و رسالت ایمان لانا فرض ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا فرض ہے اسی طرح رسول ﷺ کے احکام کو ماننا بھی فرض ہے۔

منکرینِ حدیث منصب نبوت کی حقیقت وعظمت اور جلالت ہی سے بے خبر تھے، اسی وجہ سے انھوں نے احادیثِ رسول کی حجیت سے انکار کر دیا، ان کے نزدیک احادیث مفتریات کا انبار ہیں۔

یہ چودہ قرون کے محدثین ومفسرین کے استہزاء وتمسخر پر تلے ہوئے ہیں اور ان کی تحمیق و تجہیل میں ان کا قلم مسلسل رواں دواں ہے۔

زیرنظر کتاب کا مقصد احادیث کی حجیت کو ثابت کرنا اور منکرینِ حدیث کے اشکالات واعتراضات کا ازالہ کرنا ہے۔

حافظ جلال الدین القاسمی
فاضل دارالعلوم دیوبند، ایم اے میسور یونیورسٹی



حدیث کے
منزل من اللہ ہونے کا ثبوت

جس طرح قرآن حکیم وحی ہے اسی طرح حدیث بھی وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔

((عن المقدام بن معدیکرب عن رسول الله ﷺ انه قال:((اَلَا اِنِّـیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ۔اَلَا یُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلٰی اَرِیْـکَتِـهٖ یَـقُوْلُ: عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ فَـاَحِـلُّـوْهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ، اَلَا لَایَحِلُّ لَکُمْ الْـحِـمَارُ الْاَهْلِیُّ وَلَا کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَلَا لُقْطَةُ مُعَاهِدٍ اِلَّا اَنْ یَسْتَـغْـنِـیَ عَـنْهَـا صَـاحِبُهَا، وَ مَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَیْهِمْ اَنْ یَقْرُوْهُ۔فَاِنْ لَّمْ یَقْرُوْهُ فَعَلَیْهِ اَنْ یُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ))

(ابوداؤد ، السنة ، فی لزوم السنة ، ح:٤٦٠٤)

”مقدام بن معدیکرب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز (یعنی احادیث) بھی۔ سنو! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے گاؤ تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے یہ کہے کہ تمھارے لئے قرآن کافی ہے، (حدیث کی ضرورت نہیں) تو جو قرآن میں تم حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ سنو! پالتو گدھا، نیش دار درندے اور کسی ذمی (کافر) کا گراپڑا مال اٹھالینا تمھارے لیے حلال نہیں الاّ یہ

کہ اس کا مالک اس سے بے نیاز ہو، اور جو کوئی کسی قوم کے پاس جائے تو اُن پر اس کی مہمان نوازی واجب ہے، اگر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں تو اسے حق حاصل ہے کہ اپنی مہمانی کی مثل ان سے بذریعہ طاقت حاصل کر لے۔''

یعنی پالتو گدھے کی حرمت قرآن سے منصوص نہیں، اس کی حرمت کا علم حدیث نبوی سے ہی ہوگا۔

جو لوگ حجیت حدیث کے منکر ہیں ان سے سوال کیا جائے گا کہ آپ قرآنِ مجید کو جو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو اس کا کلام اللہ ہونا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ اگر آپ کا جواب یہ ہو کہ اس کا کلام اللہ ہونا قرآن سے معلوم ہوا تو یہ مکابرہ ہے کیونکہ اس صورت میں جو دعویٰ ہے وہی دلیل ہے اور یہ صریح غلطی ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ﷺ پر سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس میں کون سی دلیل تھی کہ ان کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا۔ ورنہ پھر یہ تسلیم کر لیجئے کہ قرآن کا کلام اللہ ہونا حدیث سے معلوم ہوا......

درحقیقت جو شخص حدیث کا منکر ہو وہ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا بھی منکر ہے کیونکہ قرآن بغیر حدیث کے حجت نہیں بن سکتا۔ جس طرح کوئی شخص رسول کے بغیر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح بغیر کلام رسول، کلام اللہ تک رسائی ناممکن ہے۔

ہر شخص مانتا ہے کہ کلام کی بعض خصوصیات ہوتی ہیں جو کاغذ پر نہیں آ سکتیں بلکہ ان کا تعلق لب ولہجہ سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال کے لیے اردو کا ایک جملہ سامنے رکھ لیں، وہ جملہ یہ ہے: ''کیا بات ہے۔'' جملے کا لب ولہجہ بدلنے سے اس کا معنی بدل جائے گا۔ اس جملے کو کبھی استفسارِ حال کے لیے، کبھی تعجب کے لیے، کبھی تعظیم شان کے لیے اور کبھی تحقیر کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اب اگر یہ جملہ کاغذ پر لکھ کر کسی شخص کو بھیج دیں تو کیا وہ شخص صرف اس جملے کو پڑھ کر متکلم کی مراد سمجھ لے گا؟...... ہرگز نہیں، بلکہ جو کچھ وہ سمجھے گا وہ اس کی اپنی مراد ہوگی۔

چنانچہ اگر یہ شخص تعجب کی حالت میں ہوگا تو اسے تعجب کے لیے سمجھے گا اور اگر استفسارِ حال کا غلبہ ہوگا تو اسی کے لیے سمجھے گا۔ شاعر نے بہت اچھا کہا ہے ؎

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

''مصور تو محبوب کی صرف صورت بنا سکتا ہے لیکن محبوب کے ناز و انداز کو لفظوں میں کیسے ڈھال سکتا ہے!''

اس کے علاوہ ایک اور چیز ''عرف'' بھی ہے یعنی کلام میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں اہل زبان کے پاس ہی رہ کر سمجھا جا سکتا ہے۔

انگریزوں کے زمانے میں ہندوستان کے ایک شہر میں ایک صاحب ایک انگریز کلکٹر کے میر منشی تھے۔ کلکٹر اگرچہ انگریز تھا مگر اسے یہ زعم تھا کہ وہ اردو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ چنانچہ وہ میر منشی سے کہا کرتا کہ ہم تم سے زیادہ اردو جانتے ہیں تو بیچارے منشی خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے کیونکہ ملازمت کا سوال تھا۔ ایک دن کلکٹر نے کسی بات پر جوش میں آ کر میز پر مکّا مارتے ہوئے کہا:

منشی جی! یقیناً ہم تم سے زیادہ اردو جانتے ہیں۔

اس بار منشی کو بھی جوش آ گیا، انھوں نے سوچ لیا کہ ملازمت رہے نہ رہے اسے جواب دے ہی دوں گا۔ انھوں نے بھی میز پر مکّا مار کر کہا:

صاحب بہادر! آپ اردو کی ابجد بھی نہیں جانتے۔

یہ سن کر انگریز کلکٹر بڑا حیران ہوا اور کہا: تم میرا امتحان لے لو۔

تو منشی جی نے کہا: اگر میں آپ کا امتحان لوں گا تو آپ بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

اب صاحب بہادر واقعی بغلیں جھانکنے لگا کہ اس کا کیا مطلب ہوا! بہت غور کیا مگر خاک سمجھ آتی۔ آخر اس نے کہا:

منشی جی! مجھے تین دن کی مہلت دو، میں اس کا مطلب بتا دوں گا۔

منشی جی نے کہا: تین دن نہیں سات دن کی مہلت لے لیجئے۔

الغرض اس نے اس لفظ کو لغت میں تلاش کیا۔ مگر لغت میں کیا ملتا۔ لغت میں ''بغل'' مل گیا ''جھانکنا'' مل گیا مگر مفہوم نہیں ملا۔ آخر سات دنوں کے بعد اس نے کہا:

اس کا مطلب ہے کہ ہاتھ کو اٹھا کر بغل کو دیکھ لیا جائے۔

میر منشی ہنس پڑے، تب کلکٹر نے پوچھا: پھر اس کا مطلب کیا ہے؟

میر منشی نے کہا: اس کا مطلب آپ کو میں اس شرط پر بتاؤں گا کہ اب آپ کبھی اردو دانی کا دعویٰ نہیں کریں گے۔

چنانچہ اس نے اقرار کیا تو منشی نے بتایا کہ دراصل یہ جملہ تحیر سے کنایہ ہے یعنی اگر کلکٹر کا میں امتحان لوں تو وہ حیرت میں پڑ جائیں گے۔

الغرض کلام کی بعض خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو عرف سے متعلق ہیں۔ غیر اہل عرف انھیں نہیں سمجھ سکتا، اسی طرح قرآن مجید میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنہیں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنھیں نبی ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی۔ لہٰذا وہ لوگ جو قرآن مجید کو سمجھنا چاہیں وہ اہل عرف کی طرف رجوع کریں۔ اس کی بہترین مثال سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے:

﴿وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۝﴾ (۱۷/ بنی اسراء یل:۲۹)

''اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھیں اور نہ اسے بالکل ہی کھول دیں کہ پھر آپ ملامت کیے ہوئے درماندے ہو کر بیٹھ جائیں۔''

آیت کریمہ میں ہاتھ کو گردن سے باندھنا بخل سے کنایہ ہے اور اسے بالکل ہی کھول دینا فضول خرچی سے کنایہ ہے۔



حجیتِ حدیث کے دلائل

پہلی دلیل:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (۲/ البقرۃ: ۲۳۸-۲۳۹)

''نمازوں کی حفاظت کرو بطور خاص درمیانی نماز کی، اور اللہ کے لیے ادب سے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اگر تمھیں دشمن کا خوف ہو تو چلتے پھرتے یا سواری پر نماز ادا کر سکتے ہو، لیکن جب امن ہو جائے تو پھر اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح اللہ نے تمھیں سکھایا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔''

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ کوئی درمیانی نماز ہے مگر قرآن سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ درمیانی نماز کون سی ہے؟ حدیث درج ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عصر کی نماز ہے:

((عن علی قال: لما كان يوم الاحزاب قال رسول الله ﷺ: ((مَلَأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ وَبُيُوْتَهُمْ نَارًا ، كَمَا حَبَسُوْنَا وَ شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ)) (مسلم، المساجد، الدليل لمن قال: الصلاة الوسطى هي صلاة العصر، ح:٦٢٧)

''حضرت علی سے روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ ان کی قبروں کو اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کی وجہ سے ہم درمیانی نماز نہ پڑھ سکے۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔''

نیز آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت امن میں نماز کا کوئی خاص طریقہ ہے اور وہ

طریقہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے مگر پورا قرآن پڑھ جایئے، نماز کا طریقہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ معلوم یہ ہوا کہ نماز کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور ذریعے سے سکھایا ہے اور بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ وہ یہی ذریعہ ہے جسے حدیث کہا جاتا ہے۔

دوسری دلیل:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ....﴾ (٤/ النساء:١١)

''اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا، اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کو کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اسے نصف حصہ ملے گا......''

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر لڑکے نہ ہوں اور دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انھیں دو تہائی ملے گا اور ایک تہائی باقی بچ جائے گا اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اسے نصف ملے گا اور نصف باقی رہے گا۔

آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ باقی بچا ہوا حصہ (یعنی پہلی صورت میں ایک تہائی اور دوسری صورت میں نصف) کہاں تقسیم ہوگا؟ اس کا کیا مصرف ہے؟ اس مصرف کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ ایک اور وحی آتی تھی۔

تیسری دلیل:

﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾﴾

(٤٢/ الشوریٰ:٥١)

''اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے سوائے (١) وحی کے ذریعے، (٢) پردے کے پیچھے سے یا (٣) وہ (اللہ) کسی فرشتے کو بھیجے پھر وہ اپنے

حکم سے اس چیز کی جو وہ چاہے اس پر وحی کرے، بے شک اللہ بے حد بلند اور کمال حکمت والا ہے۔''

اس آیت میں کسی نبی اور رسول تک احکامِ الٰہی کے پہنچنے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں:

۱: براہِ راست وحی کے ذریعے۔

۲: پردے کے پیچھے سے براہِ راست کلام۔

۳: اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ نبی ورسول پر اترے اور اسے احکامِ الٰہی پہنچائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید ان تین قسموں میں سے کون سی وحی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴾ (٢٦/ الشعراء:١٩٢-١٩٤)

''اور بے شک یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ اسے روح الامین لے کر نبی کے دل پر اترا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔''

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن وحی کی تیسری قسم ہے۔ اب وحی کی دو قسمیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ان کا استعمال ہوا ہے اور وہ حدیث ہی کے نزول کے بارے میں ہوسکتا ہے۔

منکرین حدیث کی طرف سے یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ قرآن کے ساتھ اگر حدیث کو بھی حجت شرعیہ مان لیا جائے تو اس سے شرک فی الحکم لازم آئے گا۔ یہ لوگ عام طور پر اپنے موقف کی تائید میں یہ آیتیں پیش کرتے ہیں:

۱: ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ﴾ (٤٦/ الاحقاف:٩)

''میں تو اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔''

۲: ﴿اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ﴾ (٧/ الاعراف: ٣)

''اس چیز کی اتباع کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھارے طرف نازل کی گئی ہے اور اسے چھوڑ کر دیگر سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔''

۳: ﴿وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا﴾ (۱۸/ الکهف:۲٦)

''اور وہ اپنے فیصلے میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔''

اعتراض کی وضاحت یہ ہے کہ نبی وحی کی ہی اتباع کرتا ہے اور تمام انسانوں کو بھی بشمول نبی کے یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی صرف وحی کی اتباع کریں۔ دوسروں کی اتباع نہ کریں۔ نیز اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بات کے علاوہ کسی اور کی بات بھی حجت شرعیہ ہے تو لازم آئے گا کہ حکم یعنی قانون سازی اور دستور سازی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک کر لیا گیا اور یہی تو شرک فی الحکم ہے۔

یہ اعتراض اس وقت قابل قبول ہوسکتا تھا جب حدیث کو حجت شرعیہ ماننے والے یہ مانتے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال کرتے ہیں اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے:

﴿وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۖ﴾ (٦٩/ الحاقة:٤٤-٤٦)

''اور اگر وہ (نبی ﷺ) ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتے تو ضرور ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ضرور اُن کی شہ رگ کاٹ دیتے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴾

(٥٣/ النجم۳-٤)

''اور نہ وہ (نبی ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔''

نطق رسول ﷺ (رسول ﷺ کی بات) تو وحی ہی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

حدیث رسول ﷺ کو حجت شرعیہ ماننے والے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''حکم'' یعنی قانون اللہ تعالیٰ بناتا ہے کیونکہ اس نے فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ﴾ (۴۲/ الشوریٰ:۱۳)

''یعنی دستور حیات اسی نے بنایا ہے۔''

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط﴾ (۱۲/ یوسف:۴۰) ''حکم صرف اللہ کا ہے۔''

نبی اسی قانون الٰہی کی تبلیغ پر مامور ہوتا ہے کبھی اس قانون کی تبلیغ اللہ تعالیٰ کی زبان میں کرتا ہے وہ قرآن ہے اور کبھی اپنی زبان میں کرتا ہے وہ حدیث ہے۔ اس سے شرک فی الحکم کہاں لازم آیا؟ شرک فی الحکم تو اس وقت لازم آتا جب قانون سازی کا حق اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو بھی دے دیا جاتا اور یہ عقیدہ رکھا جاتا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ قانون بناتا ہے اسی طرح نبی بھی قانون بناتا ہے جبکہ نبی جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کرتا ہے۔



تبیینِ رسول ﷺ اور اس کی مثالیں

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اصل کلی ہے اور حدیث اس کا بیان ہے۔اس بیان کے بغیر قرآن کے مضمرات اور اس کی مراد کا انکشاف دشوار ہے۔قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں من جانب اللہ ہیں۔نبی اکرم ﷺ ان دونوں میں مدعی نہیں بلکہ ناقل اور امین ہیں۔یعنی نزول الفاظ، جمع الفاظ حتیٰ کہ اقراء الفاظ اور شرح مطالب اور بیان معانی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔فرمایا گیا:

﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾ (۷۵/ القیمۃ:۱۷۔۱۹)

’’بے شک اس (قرآن) کا جمع کرنا (سینوں میں اور سفینوں میں) اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔پس جب ہم اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔پھر اس کا واضح کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔‘‘

ایک مقام پر یوں فرمایا گیا:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (١٦/ النحل:٤٤)

’’اور ہم نے آپ کی طرف اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا تاکہ لوگوں کی طرف جو نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں تاکہ وہ لوگ غور وفکر کریں۔‘‘

مذکورہ بالا آیت پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اس میں کتاب نازل کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے اور اس کی تبیین کی نسبت نبی ﷺ کی طرف کی ہے اور بیان کے ذریعہ متعین شدہ مراد اور مفاہیم ومعانی کے دائرہ میں محدود رہ کر قرآن کے مخاطبین اپنی فکر سے کام لیں۔یہ قید درحقیقت قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے سے باز رکھتی ہے اور کسی کج فکر کو یہ

موقع نہیں دیتی کہ قرآن کی آیتوں کو جو معنی چاہے پہنائے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا ﴾ (٥/ المائدة:٣٨)

''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

آیت مذکورہ پڑھنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ چوری کا مال کتنی مقدار میں ہو تو ہاتھ کاٹا جائے؟ نیز ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے؟ اس کا جواب مندرجہ ذیل حدیث میں ہے:

عن عائشة رضي الله عنها عن النبى ﷺ قال: ((تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِىْ رُبُعِ دِيْنَارٍ)) (بخارى ، الحدود، قول الله تعالىٰ:﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ......﴾، ح:٦٧٩٠)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: چور کا ہاتھ چوتھائی دینار میں کاٹا جائے گا۔''

مطلق کی یہ تقیید الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ بیان قرآن ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ ﴾ (٩/ التوبة:١٠٨)

''البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔''

یہ کونسی مسجد ہے؟ حدیث ذیل میں موجود ہے:

عن ابى سعيد الخدرى ان رجلا من بنى عمرو بن عوف ورجلا من بنى خدرة امتريا فى المسجد الذى اُسس على التقوٰى فقال العوفى: هو مسجد قباء وقال الخدرى: هو مسجد رسول الله ﷺ ، فاتيا رسول الله ﷺ فسألاه عن ذلك فقال: ((هُوَ مَسْجِدِىْ هٰذَا وَفِىْ ذٰلِكَ خَيْرٌ كَثِيْرٌ))

(مسند احمد٣/ ٩١)

''حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس مسجد کے بارے میں بنوخدرہ اور بنی عمرو بن عوف کے دو آدمیوں نے اختلاف کیا۔ عوفی نے کہا: اس مسجد سے مراد مسجد قباء ہے اور خدری نے فرمایا: اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔ دونوں نے آ کر نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری مسجد یعنی مسجد نبوی ہے، اور اس میں خیرِ کثیر ہے۔''

یہاں مجمل کا بیان اصل میں بیان قرآن ہے، الگ سے کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ ﴾

(٤/ النساء:١١)

''اللہ تمھیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ لڑکا کافر اور باپ مسلم ہو یا اس کے برعکس تو کیا انھیں وراثت ملے گی؟ قرآن اس بارے میں خاموش ہے۔ حدیثِ مندرجہ ذیل میں اس کا جواب ہے:

عن اسامة بن زيد رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ قال: ((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ))

(بخاری ، الفرائض ، لایرث المسلم الكافر...... ، ح:٦٧٦٤)

''اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہوتا ہے۔''

یہاں عام کی تخصیص الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ بیان قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ ﴾ (١٧/ بنی اسراء یل:٧٨)

''یقیناً فجر کے اندر قرآن پڑھنا مشہود ہے۔''

آیت سے معلوم نہیں ہوتا کہ مشہود سے کیا مراد ہے؟

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال:((فَضْلُ صَلٰوةِ الْجَمِيْعِ عَلٰى صَلَاةِ الْوَاحِدِ خَمْسٌ وَ عِشْرُوْنَ دَرَجَةً وَ تَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَ مَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ))، يقول ابوهريرة: اقرأوا ان شئتم ﴿وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝﴾))

(بخاری ، تفسير القراٰن، قوله:﴿إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ......﴾، ح:٤٧١٧)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جماعت سے نماز، تنہا نماز پر پچیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے صبح کی نماز میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں: اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝﴾ (۱۷/ بنی اسراءیل:۷۸) (اور صبح کی نماز بھی (قائم کیجیے) بیشک صبح کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے۔''

یہاں مبہم کی تعیین کی گئی کہ مشہود سے مراد یہ ہے کہ فجر کی نماز میں دن کے فرشتے اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔

یہاں مبہم کی یہ تعیین الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ بیان قرآن ہے۔ جب سورۃ البقرۃ کی آیت (۱۸۷) ﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪﴾ (سحری) کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ تمھارے لیے سفید دھاگا کالے دھاگے سے ممتاز ہو جائے) اتری تو عدی بن حاتم نے نبی ﷺ سے پوچھا:

يا رسول الله ما الخيط الابيض من الخيط الاسود؟اهما الخيطان قال: ((اِنَّكَ لَعَرِيْضُ الْقَفَا اِنْ اَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ)) ثم قال:((لَا بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَ بَيَاضُ النَّهَارِ))

(بخاری ، تفسير القراٰن،﴿كلوا واشربوا......﴾، ح:٤٥١٠)

''اللہ کے رسول! اس سے دو دھاگے (کالے اور سفید) مراد ہیں؟ تو آپ ﷺ

نے فرمایا: تمھاری گدی بہت لمبی چوڑی ہوگی اگر تم نے ان دونوں دھاگوں کو دیکھ لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد صبح کاذب اور صبح صادق ہیں۔''

پتا چلا کہ جب اہل زبان ہوتے ہوئے بھی صحابہ کو مرادِ ربّانی سمجھنے میں غلطی ہوجاتی تھی اور انھیں اس کے صحیح مفہوم کو جاننے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا تو ہم تو بدرجہ اولیٰ مرادِ ربانی کو سمجھنے کے لیے نبی ﷺ کی احادیث کے محتاج ہیں۔

اگر آیت کے کسی اصول کلی سے حدیث نے کوئی جزئیہ مستنبط کیا تو حدیث کو بیان تفریع کہا جائے گا۔

اگر قرآن کے کسی جزئیے سے حدیث نے کوئی کلیہ اخذ کرکے نمایاں کیا تو حدیث کو بیان استخراج کہا جائے گا۔

قرآن کے لیے حدیث کسی نہ کسی آیت کے لیے بیان ہے اور یہ بیانات مختلف الانواع ہیں۔ اگر آیت و حدیث کا بعینہٖ ایک ہی مفہوم ہے تو حدیث کو بیان تاکید کہا جائے گا۔

اگر آیت کے مختلف محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو حدیث نے متعین کیا تو حدیث بیان تعیین ہے۔

اگر آیت کا پیش کردہ حکم مقدار کے لحاظ سے مبہم ہے اور حدیث نے اسے مشخص کیا تو حدیث بیان تقریر ہے۔

اگر آیت کے کسی اجمال کو حدیث نے کھول دیا ہے اور پھیلا دیا تو حدیث بیان تفصیل ہے۔

اگر آیت کے کسی چھوڑے ہوئے مضمون مثلاً کسی قصے کے ٹکڑے کو یا دلیل کے کسی مقدمے کو حدیث نے اس کے ساتھ ملا دیا تو حدیث بیان الحاق ہے۔

اگر کسی آیت کے حکم کی وجہ حدیث نے ظاہر کی تو حدیث بیان توجیہ ہے۔

اگر آیت کے کسی کلیہ کا کوئی جزئیہ حدیث نے ذکر کیا تو حدیث بیان تمثیل ہے۔

اگر حکمِ آیت کی علت حدیث نے واضح کی تو حدیث بیان تعلیل ہے۔

اگر آیت کے حکم کے خواص حدیث نے کھولے ہیں تو حدیث بیان تاثیر ہے۔
اگر کسی آیت کے حکم کی حدود کو حدیث نے واضح کیا تو حدیث بیان تحدید ہے۔
اگر آیت کے کسی عام کا حدیث نے کوئی فرد متشخص کر دیا تو حدیث بیان تخصیص ہے۔
اگر آیت کے کسی جزیئے کے مشابہ کوئی جزئیہ کسی مشترک علت کی بنا پر حدیث نے پیش کیا تو حدیث کو بیان قیاس کہا جائے گا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم احادیث کو مانتے ہیں مگر ان احادیث کو نہیں مانتے جو عقل میں نہ آئیں۔اب سوال یہ ہے کہ کس کی عقل کو معیار بنایا جائے؟ محدثین کی عقل کو، فلاسفہ کی عقل کو، ایک ڈاکٹر، ایک سائنسدان کی عقل کو یا ایک عام آدمی کی عقل کو؟

ایک حدیث ایک شخص کی عقل میں آتی ہے دوسرے کی عقل میں نہیں آتی، تو اب کس کی عقل کو معیار تسلیم کیا جائے؟ کیا دین میں عقل معیار ہے یا نقل؟ اگر اس معیار پر ہم قرآن کو پرکھیں اور جو آیت ہماری عقل میں نہ آئے تو پھر اسے بھی تسلیم نہ کریں۔

سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴾ (۲۱/ الانبیاء :۶۹)

''ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! ابراہیم پر سرد اور موجب سلامتی ہو جا۔''

یہ بات عقل میں نہیں آتی...... کہ آگ کا کام ہے جلانا...... وہ ٹھنڈی اور سلامتی والی کیسے بن سکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہوگی ہم اسے نہیں مانیں گے۔اگر اس نظریے پر قرآن کو پرکھا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دو آیتیں بظاہر متعارض نظر آتی ہیں تو کیا ایک آیت کو تسلیم کر کے دوسری کو رد کر دیں گے یا دونوں میں تطبیق دے کر دونوں کو مانیں گے۔ ظاہر ہے کہ دونوں آیتوں کو مانیں گے تو یہ فارمولہ احادیث کے لیے کیوں استعمال نہ کیا جائے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ﴾

(۲۵/ الفرقان :۳۲)

''اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن کو ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتار دیا گیا۔''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝ ﴾ (۹۷/ القدر:۱)

''ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں اتارا۔''

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا بتدریج نازل ہوا ہے اور دوسری آیت سے پتا چلتا ہے کہ قرآن یکبارگی اتارا گیا ہے۔ ہم دونوں آیتوں میں تطبیق دے کر دونوں کو مانتے ہیں۔

یہ کہنا کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے لہٰذا احادیث کو حجت شرعیہ ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ تو سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ ﴾ (٦٢/ الجمعة:٩)

''مومنو! جب جمعہ کی نماز کے لیے تمھیں پکارا جائے تو اس کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔''

اب بتایا جائے کہ جمعہ کے دن کب پکارا جائے؟

کس نماز کے لیے پکارا جائے؟

کن الفاظ سے پکارا جائے؟

جس نماز کے لیے پکارا جا رہا ہے وہ کیسے پڑھی جائے؟

بتائیں! ان سارے سوالوں کا جواب اور اس کی تفصیل قرآن میں کس جگہ ہے؟

اگر قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے تو بتائیں کہ مرغی حلال ہے یا حرام؟

کتا اور گدھا حلال ہیں یا حرام؟

میت کو غسل کیسے دیا جائے؟

تجہیز و تکفین کا کیا طریقہ ہے؟

نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے؟

نانی، دادی، پوتی، نواسی کی حرمت بنص قرآنی ثابت نہیں تو کیا ان سب سے نکاح جائز

ہے؟ نیز منکوحہ کی موجودگی میں اس کی خالہ اور اس کی پھوپھی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ قرآن سے ثابت کریں۔

ہم ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (١٦/النحل:٨٩) کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ قرآن میں جو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اور حدیث میں احکام کی جو شرح کی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔پس متنِ قرآن اور شرحِ قرآن (حدیث) دونوں میں ہر امر دینی کا تفصیلی بیان ہے۔

معیارِ تحقیق

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے سند میں چند اشخاص کو جوڑ دیا اور کہہ دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، اور اسے حدیث مان لیا جاتا ہے، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ حدیث کو جانچنے کے معیارات سو سے زائد ہیں اور ہر معیار پر مستقل تحریری مواد موجود ہے۔ جب کوئی حدیث ان تمام معیارات سے ٹھیک ٹھاک گزر جائے گی تب اس پر صحت کا حکم لگایا جائے گا۔

مثال کے طور پر علقمی نام کا ایک شخص کہتا ہے کہ یہ حدیث ہے اور سند اس طرح بیان کرتا ہے:

عن مالك عن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ......

جب علقمی اس حدیث کو مذکورہ سند کے ساتھ ذکر کرے گا تو ہر سننے والا سند میں اس کا نام ضرور ذکر کرے گا۔ علقمی سے آگے کی سند یقیناً معتبر ہے۔لیکن حدیث کو صحیح قرار دینے کے لیے علقمی کی تحقیق ضروری ہوگی۔اب اگر علقمی کے حالات نہیں ملتے تو روایت مجہول ہوگی اور اگر حالات مل گئے تو دیکھا جائے گا کہ وہ صادق تھا یا کاذب؟ اگر کاذب تھا تو حدیث موضوع ہوگی اور اگر صادق تھا تو اب دیکھا جائے گا کہ وہ حافظہ کی خرابی میں مبتلا تو نہیں؟ اگر یہ عیب پایا گیا تو حدیث قابل قبول نہیں ہوگی۔اگر اس جرح سے بچ گیا تو دیکھا جائے گا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے دیگر شاگرد بھی وہ حدیث روایت کرتے ہیں یا نہیں۔اگر معلوم ہوگیا کہ دیگر شاگرد علقمی کے خلاف روایت کرتے ہیں تو علقمی کی روایت شاذ ہو جائے گی۔مذکورہ مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی

جھوٹے راوی کا محدثین کے معیار تحقیق سے بچنا کس قدر مشکل ہے۔ لہٰذا محدثین کسی حدیث کو صحیح کہیں تو وہ قطعی الصحت ہے۔

خبر واحد کی حجیت قرآن سے

﴿ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ﴾ (۲۸/ القصص:۲۰)

''اور ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا۔''

غور کریں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ایک شخص کی خبر پر گھر چھوڑ کر مدین کی طرف نکل پڑتے ہیں۔

﴿ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴾ (۲۷/ النمل:۲۲)

''اور میں آپ کے پاس شہر سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔''

مذکورہ بالا آیت میں صرف ہدہد کی خبر کو قرآن نے یقینی خبر کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر واحد اگر محتف بالقرائن ہو تو یقین کا فائدہ دیتی ہے۔

خبر واحد کی حجیت حدیث سے

عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال:((اِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِي ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ))

(بخاری ، الاذان، الاذان بعد الفجر، ح:٦٢٠)

''عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلال رات کو اذان دیتے ہیں لہٰذا تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ کی فقاہت دیکھئے وہ اسی حدیث سے خبر واحد کی حجیت پر استدلال کرتے ہیں۔ استدلال کی وضاحت یہ ہے کہ نماز جو افضل العبادات ہے ایک آدمی کی اذان یعنی ایک آدمی کے بلاوے پر مسجد میں آنا لازم قرار دیا گیا تو دیگر معاملات میں ایک آدمی کی خبر کو حجت کیوں نہیں تسلیم کیا جاسکتا؟

احادیث کی حفاظت کا عملی اہتمام

منکرینِ حدیث ایک اور اعتراض بڑے شد و مد سے کرتے ہیں کہ اگر حدیث کا دین میں کوئی مقام ہوتا اور دینی معاملات میں اسے مستقل حجیت حاصل ہوتی تو پھر نبی اکرم ﷺ اسی اہتمام کے ساتھ حدیث بھی لکھوالیا کرتے جس اہتمام سے آپ ﷺ قرآن کی ہر آیت وسورہ لکھوالیا کرتے تھے۔ اب جس شئے کو قلم بند کر کے دوسروں تک پہنچانے کا با قاعدہ التزام نہیں کیا گیا اسے ہمیشہ کے لیے ایک واجب الاتباع قانون کا درجہ کیسے دیا جاسکتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے موجبِ حجت واستناد اور لائقِ اتباع ہونے کے لیے اس کا مکتوب ومحرر ہونا شرط لازم نہیں۔ آخر قرآن کی وحی بھی تو تحریری نہیں بلکہ زبانی ہی نازل ہوتی تھی، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ﴾ (۷۵/ القیامة :۱٦)

''آپ اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں کہ اسے جلدی حاصل کرلیں۔''

یعنی جبریل امین آپ ﷺ کو پڑھ کر سناتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو فوراً یاد ہو جاتی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے حافظے اور یادداشت ہی سے اسے املا کراتے تھے اور ظاہر ہے کہ نزول اور کتابت کے درمیان کچھ وقفہ ایسا ضرور گزرتا ہوگا جبکہ حفاظت وحی کا انحصار صرف حافظے اور قراءت پر ہوتا ہوگا۔

نیز حدیث نام ہے رسول ﷺ کے قول وفعل وتقریر کا۔ رہا قول کا معاملہ تو اسے یاد کرنے کی ضرورت ہے اور صحابہ کی زبان عربی تھی اور ان کا حافظہ انتہائی قوی تھا۔ حدیثوں کو یاد رکھنا ان کے لیے چنداں مشکل نہ تھا۔ رہا فعلِ رسول ﷺ کا معاملہ تو اسے یاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر عمل کرنا کافی تھا جیسے نماز کیسے پڑھی جائے۔ اس کی پوری ہیئت عمل سے ہی یاد ہو جاتی تھی۔

اب رہا تقریرِ رسول ﷺ کا معاملہ، تو اسے بھی یاد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ واقعات ہیں جو آپ ﷺ کے سامنے پیش آئے اور آپ ﷺ خاموش رہے۔

نیز احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ صحابہ میں احادیث کی کتابت ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں مشہور کتابیں یہ ہیں:

صحیفہ علی۔ صحیفہ وائل بن حجر۔ صحیفہ سعد بن عبادہ۔ صحیفہ جابر بن عبداللہ۔ صحیفہ انس بن مالک۔ صحیفہ عبداللہ بن عباس۔ صحیفہ صادقہ (جو عبداللہ بن عمرو بن عاص نے مرتب کیا تھا۔) صحیفہ عمر بن خطاب۔ صحیفہ عثمان۔ صحیفہ عبداللہ بن مسعود۔ مسند ابو ہریرہ۔ روایات حضرت عائشہ۔ صحیفہ عمرو بن حزم۔ صحیفہ صحیحہ از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم۔ [1]

خلاصہ یہ نکلا کہ حدیث کے حفاظت کے طریقے جو اختیار کئے گئے وہ تین تھے:

۱: کتابت (لکھنا)

۲: حفظ (زبانی یاد کرنا)

۳: تعامل (یعنی ہر شعبہ زندگی میں احادیث پر عمل کا اہتمام کرنا)

یہ تینوں طریقے عہدِ رسالت سے لے کر آج تک تسلسل کے ساتھ جاری ہیں۔

زیادہ تر عمل میں آنے والی احادیث کی تعداد متن حدیث کے لحاظ سے تقریباً ایک لاکھ ہے اور اسانید وطرق کے لحاظ سے ان کی تعداد تقریباً تین لاکھ ہے اور حجۃ الوداع میں صحابہ کرام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی۔ اس کے بعد نبی ﷺ تین ماہ زندہ رہے، اتنے عرصے میں کتنے ہزار صحابہ کا اور اضافہ ہوا؟ اس حساب سے تو ایک صحابی کے حصے میں ایک حدیث بھی نہیں آتی۔

---

[1] صحیفہ صحیحہ کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہمام بن منبہ نے مرتب کیا تھا، جس میں تمام وہ احادیث ہیں جو اُنھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیں۔ اس صحیفہ کو صحیفہ ہمام بن منبہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں ۱۳۹ حدیثیں ہیں۔ اس مجموعے کا اردو ترجمہ اور شرح کئی اداروں نے شائع کی ہے۔ اس کی ایک شرح راقم الحروف بھی حوالۂ قرطاس کر رہا ہے جو ماہنامہ دعوۃ التوحید، اسلام آباد میں قسط وار شائع کی جا رہی ہے۔ (شہباز حسن)

عہد رسالت میں حدیث کی کتابت وحفظ کا ثبوت

عـن عبـدالـله بن عمرو قال: كنت اكتب كل شیء اسمعه من رسول الله ﷺ اريـد حفظه فنهتنی قريش وقالوا: اتكتب كل شیء تسمعه و رسول الله ﷺ بشر يتكلم فی الغضب والرضا، فامسكت عن الكتاب، فذكرتُ ذلك الى رسول الله ﷺ فاومأ باصبعه الى فيه فقال:((اُكْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهِ مَايَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ))

(ابوداؤد، العلم، فی كتاب العلم، ح:٣٦٤٦)

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز جو اللہ کے رسول ﷺ سے سنتا لکھ لیا کرتا تھا تاکہ میں اسے زبانی یاد کرلوں تو قریش نے مجھے روکا اور کہا کہ تو نبی ﷺ سے جو کچھ سنتا ہے لکھ لیتا ہے جبکہ نبی ﷺ ایک انسان ہیں۔کبھی غصے میں بولتے ہیں اور کبھی خوشی میں بولتے ہیں۔تو میں لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اپنے دہن کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: لکھو۔پس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس (زبان) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔''

رہی یہ روایت: عـن ابـی سـعيد الخدری ان رسول الله ﷺ قال: ((لَاتَـكْتُبُـوْا عَنِّیْ وَمَنْ كَتَبَ عَنِّیْ غَيْرَالْقُرْاٰن فَلْيَمْحُهُ وَحَدِّثُوْا عَـنِّـیْ وَلَاحَـرَجَ وَمَـنْ كَـذَبَ عَـلَـیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) (مسلم، الزهد، الثبت فی الحديث......ح:٣٠٠٤)

''ابوسعید خدری سے روایت کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹا دے اور مجھ سے بیان کرو

کوئی حرج نہیں اور جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔''

اس حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ مت لکھو۔ تو آپ کا یہ حکم عارضی تھا تا کہ قرآن وحدیث کے درمیان امتیاز رہے۔

((وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ)) حدیث کا یہ ٹکڑا ایسی اسرائیلی روایات پر محمول ہے جو مسکوت عنھا ہیں یعنی ایسی اسرائیلی روایات جن کی شریعت میں تصدیق کی گئی ہو نہ تکذیب۔ لیکن جو روایات شریعت سے متصادم ہیں وہ مردود ہیں۔

منکرین حدیث حدیثوں کو اس لئے نہیں مانتے کہ حدیثوں میں باہم اختلاف ہے۔ دیکھا جائے تو اس طرح کا اختلاف قرآن میں بھی موجود ہے۔ قرآن میں ایک آیت ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ ﴾

(٣٦/ يٰس:٦٥)

''آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے۔''

ایک اور آیت میں ہے:

﴿ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

(٢٤/ النور:٢٤)

''جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ پاؤں بھی ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔''

پہلی آیت میں ہے کہ منہ پر مہر لگنے کی وجہ سے زبان بند ہو جائے گی اور دوسری آیت میں ہے کہ زبانیں گواہی دیں گی۔ ذرا سوچئے جب زبانیں بند ہو جائیں گی تو گواہی کس طرح دیں گی؟

تبیانا لکل شیء کا مفہوم

قرآن میں جب ہر شے کی وضاحت ہے تو حدیث کی ضرورت کیا ہے؟ قرآن کی آیت کے اس ٹکرے ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱۶/النحل:۸۹) کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ بیان ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور احادیث نبویہ میں جن احکام کی شرح کی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس متن قرآن اور شرح قرآن (یعنی حدیث) دونوں میں ہر امرِ دینی کا تفصیلی بیان ہے۔

تفصیلا لکل شیء کا مفہوم

ایک اشکال یہ ہے کہ قرآن میں جب ہر مسئلے کی تفصیل ہے تو حدیث کی کیا ضرورت ہے؟

آیت(٦/ الانعام:١٥٥) کے مذکورہ ٹکڑے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ قرآن نے دین کے بنیادی اصول اور مہمات شریعت بغیر کسی اینچ پینچ کے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے تاکہ اشتباہ وابہام کا کوئی شائبہ نہ رہے۔ لفظ ''کل'' حقیقی استغراق یعنی ایسا عموم جو تمام افراد کو شامل ہو، کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ کل ایسا ہے جیسے سورۃ النمل کی اس آیت ﴿وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ﴾ (٢٧/ النمل:٢٣) ''اسے ہر چیز دی گئی تھی۔''[1]

ملکہ سبا کو ہر چیز دی گئی تھی یعنی سلطنت کے تعلق سے تمام لوازمات دیئے گئے تھے کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے پاس لوازماتِ حکومت ملکہ سبا کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھے۔



---

[1] لفظ کل کے مزید قرآنی استعمالات کے لیے مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کیجیے: سورۃ البقرۃ:۲۶۰۔ آل عمران:۹۳۔ یوسف:۷۹۔ الرعد:۱۶۔ النحل:۶۹۔ الکہف:۵۴،۷۹۔ الحج:۲۷۔ النمل:۱۶۔ الزمر:۶۲۔ حم السجدۃ:۲۱۔ الاحقاف:۲۵۔ (شہباز حسن)

احادیث کے ضعیف وموضوع ہونے پر اعتراض

منکرین حدیث یہ اعتراض بڑے زور وشور سے کرتے ہیں کہ بعض احادیث تو موضوع ہیں اور بعض ضعیف حالانکہ قرآن میں اس طرح کا اختلاف نہیں۔ اس کی کوئی آیت ضعیف یا موضوع نہیں کہی جاسکتی۔ اس لحاظ سے حدیث کا مواد غیر مکمل ہی نہیں بلکہ تحریف سے بھی پاک نہیں ہے۔ جبکہ جو چیز حجت شرعیہ اور ماخذ دین ہو، اس کا خالص اور ملاوٹ سے پاک ہونا ضروری ہے۔

جواب یہ ہے کہ بلاشبہہ حدیث کے مجموعوں میں مختلف اقسام کی احادیث درج ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے مابین امتیاز کرنا مشکل ہے۔ جس شخص کو حدیث اور فن حدیث سے معمولی سی بھی واقفیت ہے وہ یہ جانتا ہے کہ محدثین نے صحیح اور قابل اعتماد احادیث کا بڑا حصہ ضعاف اور موضوعات سے الگ کر دیا ہے اور انھوں نے حدیث کی نقد وجرح کے وہ تمام اصول و قوانین بھی بیان فرما دیے ہیں جن سے کام لے کر انھوں نے احادیث کو جانچا ہے۔ اس فنی تحقیق کی مثال دنیا میں کوئی قوم پیش نہیں کرسکتی۔ اس کی روشنی میں ہر صاحب علم یہ جان سکتا ہے کہ احادیث کی قوت وضعف کا فیصلہ کن وجوہ اور دلائل کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اگر محدثین کے اس محیر العقول کارنامے کے بغیر احادیث کا ملا جلا ذخیرہ ہم تک پہنچتا اور ہمارے پاس صحیح کو غیر صحیح سے ممتاز کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا تو یہ امر بلاشبہہ باعثِ تشویش ہوسکتا تھا۔ لیکن موجودہ صورت میں پریشانی کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر مزید موجبِ اطمینان امر یہ ہے کہ جن احادیث کی صحت یا ضعف پر امت کی اکثریت کا اتفاق ہے۔ ان کی تعداد ان احادیث کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے جن کی صحت وعدم صحت کا معاملہ مختلف فیہ ہے۔

اب اگر کوئی شخص تھوڑی سی مقدار کو مشتبہ سمجھ کر پورے ذخیرے کو ساقط الاعتبار قرار دے دے تو اس کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہوگی جو اپنے خزانے کے چند سکوں کو کھوٹا دیکھ کر پورا

خزانہ دریا برد کر دے، یا بازار میں چند جعلی نوٹوں کا چلن دیکھ کر پورے ملک کی کرنسی کو نذر آتش کرنے کی کوشش کرے۔ کیا کوئی زیرک اور ہوش مند انسان ایسا عاقبت نا اندیشانہ اقدام کرنے کا تصور کر سکتا ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ معصوم نہیں تھے

منکرین حدیث یہ اعتراض کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ معصوم نہیں تھے۔ لہٰذا ان سے خطا ممکن ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ امکان خطا اور وقوع خطا میں بڑا فرق ہے۔ امکان اور چیز ہے اور وقوع اور چیز۔ ممکن ہے آپ چور ہوں۔ مگر بغیر ثبوتِ شرعی ایسا کہنا غلط ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے خطا کہاں کی ہے اسے ثابت کیجیے۔

ذرا سوچئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے قرآن کو نہیں لکھا۔ لکھنے والے اور جمع کرنے والے صحابہ ہی تھے اور صحابہ بھی معصوم نہ تھے۔ لہٰذا ان سے بھی خطا کے صدور کا امکان تھا۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا۔

بخاری میں بدعتی راویوں کا اشکال

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ بخاری میں بدعتی راوی ہیں! لہٰذا بدعتی راویوں کی مرویات کو کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ بدعات ایک درجے کی نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ﴾

(٤٩/ الحجرات:٦)

”ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو۔“

غور کریں کہ فاسق کے فسق کی وجہ سے جو بے اعتباری پیدا ہو سکتی تھی وہ خبر کی تحقیق کے بعد

دُور کی جاسکتی ہے۔

ا: اگر راوی کی بدعت اس طرح ہو کہ اسے اسلام سے نکال دے تو ایسے بدعتی کی روایت مقبول نہیں کیونکہ قبول روایت کے لیے اسلام شرط ہے۔

۲: اگر راوی دین وشریعت کے معاملے میں دشمنی کا اظہار کرے اور مسلمانوں سے عناد رکھے اور خواہشات کی پیروی میں اسراف کرے نیز حق کی دلیلوں سے اعراض کرے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے یہاں دینداری کم ہے۔ جیسے شراب نوشی، سودخوری وغیرہ تو ایسا راوی عادل نہیں ،ایسے رواى کی روایت مقبول نہیں، کیونکہ قبول روایت کے لیے عدالت شرط ہے۔

۳: اگر راوی جھوٹ کو حلال جانے تو یا تو کافر ہے یا فاسق اور اگر معذوری بھی سمجھ لیں تو قبول روایت کے لیے صدق (سچائی) شرط ہے اور یہاں سچائی ناپید ہے، اس لئے ایسے راوی کی روایت مقبول نہیں۔

۴: ایسا بدعتی راوی کہ اہل علم کا اس کے سلسلے میں تردد موجود ہو، اہل علم کے نزدیک اسے کافر قرار دینا یا فاسق قرار دینا واضح نہ ہو سکے اور نہ اہل علم نے اسے عادل ہی قرار دیا ہو تو ایسے راوی کی روایت مردود ہے۔

۵: اگر بدعتی راوی اپنی بدعت کا داعی ہو اور اپنی بدعت کی نشر واشاعت کرتا ہو اور اس کی دعوت کا تعلق ایسی بدعت سے ہو جس پر محدثین کا اتفاق ہو کہ وہ بدعت ہے تو ایسے راوی کی روایت مقبول نہیں۔

رہا وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دیتا اس کی دو شکلیں ہیں؛ اگر اس کی عدالت ثابت ہو جائے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔ لیکن اگر اس کی عدالت (عادل ہونا) ثابت نہ ہو تو اس کی روایت مردود ہوگی۔ یہ چند شرائط معلّمی کی التنکیل میں موجود ہیں۔



صحیح بخاری کی بعض احادیث پر اعتراضات کے جوابات

١: حدثنا عبدالله بن محمد قال حدثنی عبدالصمد قال حدثنی شعبة قال حدثنی ابوبکر بن حفص قال سمعت اباسلمة یقول: دخلت انا و اخو عائشة علی عائشة فسالها اخوها عن غسل النبی ﷺ فدعت باناءٍ نحو من صاعٍ فاغتسلت و افاضت علی راسها و بیننا و بینها حجاب.

(بخاری ، الغسل ، الغسل بالصاع......ح:٢٥١)

''عبداللہ بن محمد بیان کرتے ہیں کہ انھیں عبدالصمد نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ابوسلمہ نے فرمایا کہ میں اور حضرت عائشہ کے بھائی، حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ ان کے بھائی نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح غسل کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ نے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن منگوایا جس سے آپ نے غسل کیا اور سر پر بھی پانی ڈالا، درمیان میں ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا۔''

سوال یہ ہے کہ آیا یہ دونوں حضرات اس پردے میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غسل کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے؟ جواب نفی میں ہے۔ غسل کی کیفیت بتانے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غسل نہیں کیا بلکہ انھوں نے پانی کی مقدار کا ذکر کیا تو ابوسلمہ اور دیگر نے تعجب کا اظہار کیا کہ اتنے پانی سے کیسے نہایا جا سکتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ بالکل ممکن ہے اور دیکھو اب میں نہانے کے لیے جا رہی ہوں اور اتنے ہی پانی سے نہاؤں گی اس کے بعد انھوں نے پردہ ڈالا اور

غسل کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اتنے پانی سے نہانا ممکن ہے۔ اس مفہوم کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث پر "الغسل بالصاع و نحوہ" کا باب باندھا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب منکرین حدیث کی اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے کافی ہے۔ نیز غسل کے معنی صرف نہانے کے نہیں ہوتے بلکہ غسل کا ایک مطلب ''نہانے کا پانی'' بھی ہوتا ہے۔

۲: عن عامر بن سعد عن ابیه قال امر رسول الله ﷺ بقتل الوزغ وسماه فویسقا.

(ابوداؤد، الادب، فی قتل الاوزاغ، ح:۵۲۶۲)

''عامر اپنے حضرت سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کے مارنے کا حکم دیا اور اسے فاسق کہا۔''

چھپکلی کے قتل کا یہ سبب نہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پھونک مار رہی تھی۔ مذکورہ بالا حدیث سے اس کا فویسق (زہریلا اور موذی) ہونا بتایا گیا ہے۔ نیز بعض جانور فطرتاً شریف ہوتے ہیں اور بعض فطرتاً بدطینت ہوتے ہیں۔ جیسے بچھو اور چھپکلی وغیرہ......تو ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک مارنا اس کے خبثِ باطن کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ چھپکلی کیسے پھونک مار رہی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ بات ہے جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ ویسے بھی قرآن سے یہ ثابت ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن وہ تسبیح کیسے بیان کر رہی ہے؟ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ چھپکلی ایک برے کام میں مدد کیوں کر رہی تھی؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

۳: عن عائشة جاء ت سهلة بنت سهیل الی النبی ﷺ فقالت یارسول الله! انّی اری فی وجه ابی حذیفة من دخول سالم۔ وهو حلیفه۔ فقال النبی ﷺ ((اِرْضِعِیْهِ)) قالت: وکیف اُرضعه وهو رجل کبیر؟ فتبسم رسول الله ﷺ وقال ((قَدْ

عَلِمْتُ اَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيْرٌ .))

(مسلم ، الرضاع ، رضاعة الكبير ، ح:١٤٥٣)

''حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ سالم جب گھر میں داخل ہوتے ہیں تو میں ابوحذیفہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھتی ہوں تو نبی ﷺ نے فرمایا: تو سالم کو اپنا دودھ پلا دے۔ کہنے لگیں: میں انھیں کیسے دودھ پلا دوں؟ وہ بچے نہیں ہیں بلکہ بڑی عمر کے آدمی ہیں تو نبی ﷺ مسکرائے اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ وہ جوان ہیں۔''

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ نے نوجوان سالم کو اپنا دودھ پلایا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اسلام میں حرجِ شدید کا لحاظ کیا گیا ہے جیسے کہ ایام ماہواری میں عورت کی نماز معاف ہے جبکہ نماز جنگ میں بھی معاف نہیں۔ سالم چونکہ بچپن سے ابوحذیفہ کے گھر آتے جاتے تھے اور سودا سلف بھی لے آتے تھے۔ گھر میں اور کوئی نہ تھا۔ لہٰذا مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا گیا، یہ ان کے لیے خاص تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ پتا نہیں چلتا کہ سہلہ نے سالم کو اس طرح اپنا دودھ پلایا جیسے بچے کو پلایا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی برتن میں دودھ نکال کر پلایا گیا ہو۔



عذابِ قبر

منکرین حدیث کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر عذاب قبر کو مان لیا جائے تو تین زندگیاں اور تین موتیں لازم آتی ہیں جبکہ قرآن میں صرف دو زندگیوں اور دو موتوں کا تذکرہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالُوا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ﴾ (٤٠/ المؤمن :١١)

''وہ کہیں گے: ہمارے رب! تُو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی۔''

جواب یہ ہے کہ قرآن میں کئی واقعات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ مردے زندہ ہو گئے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں باذن اللہ مردوں کا زندہ ہونا اور سورۃ البقرۃ میں حضرت عزیر علیہ السلام اور ان کے گدھے کا زندہ ہونا اور چار پرندوں کا زندہ ہونا...... تو کیا یہ تیسری زندگی نہیں ہے؟

ہاں یہ صحیح ہے کہ قرآن میں یہ ہے کہ قیامت سے پہلے سب لوگوں کو نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ کوئی مسلمان اس کا عقیدہ رکھتا ہے۔ نیز اہل قبور کے لیے دنیا کی معروف زندگی اور موت کی معروف بے حسی کے درمیان کسی درجے کا احساسِ زندگی تسلیم کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ [1]

---

[1] غور طلب بات یہ بھی ہے کہ عذابِ قبر مردے کو ہوتا ہے زندہ انسان کو نہیں، کوئی بھی صحیح العقیدہ مسلمان اس بات کا قائل نہیں کہ عذابِ قبر مردے کی بجائے زندہ انسان کو ہوتا ہے لہٰذا جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں کہ عذابِ قبر زندہ کو ہوتا ہے تو پھر یہ کہنا ہی فضول ہے کہ عذابِ قبر سے تیسری زندگی لازم آتی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی اس موضوع پر لکھی گئی کتب: عذابِ قبر، منکرین عذابِ قبر کے اعتراضات کے مدلل اور مسکت جوابات؛ عذابِ قبر، قرآن کی روشنی میں؛ المسند فی عذاب القبر (محمد ارشد کمال)

ملحوظہ: ......عذاب قبر نہ صرف یہ کہ احادیث سے ثابت ہے بلکہ قرآن سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، عذابِ قبر کے قرآنی ثبوت کے لیے ان آیات کا مطالعہ کیجیے: سورۃ ابرھیم:٢٧؛ طٰہٰ:١٢٤ـ١٢٦؛ الانعام:٩٣؛ الانفال:٥٠ـ٥١؛ محمد:٢٧؛ المؤمن:٤٥ـ٤٦؛ نوح:٢٥؛ التوبۃ:١٠١؛ التکاثر:١ـ٤؛ الواقعۃ:٨٣ـ٩٦؛ النحل:٢٨ـ٣٢ (شہباز حسن)

ثبوت اس آیت میں ہے:

﴿قَالُوا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ (۳۶/ یٰسٓ: ۵۲)

''انھوں نے کہا: ہائے! ہمیں ہمارے مرقد سے کس نے اٹھایا۔''

رقود نیند کو اور مرقد خوابگاہ کو کہتے ہیں۔ پتا چلا کہ قبر میں مردے کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے سونے والے کی۔ اس میں زندگی کی پوری حسیت اور موت کی مکمل بے حسی طاری نہیں ہوتی بلکہ بین بین کی کیفیت ہوتی ہے۔

اس بحث میں ایک ضمنی سوال یہ بھی ہے کہ قیامت کے وقوع سے پہلے بدلہ دیا جانا انصاف کے خلاف ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قیامت سے پہلے کوئی بدلہ دیا جانا تسلیم نہ کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے دنیا میں قوموں کو ان کے برے اعمال کی سزا کیوں دی؟



حدیث ثلاث کذبات

منکرین حدیث کا اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صدیق کہا ہے اور صحیح بخاری میں (ح:۵۰۸۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ إِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ))

''حضرت ابراہیم نے صرف تین جھوٹ بولے۔''

درحقیقت اسے توریہ کہتے ہیں یعنی ایسا کلام جو مجازاً کذب (جھوٹ) ہوتا ہے مگر حقیقت میں سچ ہوتا ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو ابراہیم علیہ السلام کے ایسے جھوٹ کا تذکرہ خود قرآن میں بھی ہے:

﴿فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝﴾ (۳۷/ الصّٰفّٰت:۸۹)

''تو انھوں نے کہا: میں بیمار ہوں۔''

ایک تو یہ کہ آپ بیمار نہیں تھے مگر آپ نے کہا کہ میں بیمار ہوں۔

دوسرا یہ کہ آپ نے خود بتوں کو توڑ کر بڑے بت کا نام لے دیا۔

﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهُ ۚ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا﴾ (۲۱/ الانبیاء:۶۳)

''آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ کیا ہے۔''

تیسرا یہ کہ آپ نے تارہ، چاند اور سورج کو دیکھ کر انھیں اپنا رب کہا۔

(٦/ الانعام: ۷۷۔۷۹)

کیا ابراہیم علیہ السلام کا انھیں رب کہنا سچ تھا یا جھوٹ؟

اب جو توجیہ منکرین حدیث ان آیات کی کریں وہی اسی قسم کی احادیث کی سمجھ لیں۔

درحقیقت حدیث میں حقیقی جھوٹ نہیں بلکہ مجازی جھوٹ کا تذکرہ ہے جسے توریہ کہا جاتا ہے۔ جس میں ظاہری کلام کی صورت کذب کی ہوتی ہے مگر اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن بڑے لوگوں کو اس سے شرم آتی ہے۔

حدیث زنائے قردۃ

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب مناقب الانصار کے باب القسامة فی الجاهلية (ح:۳۸۴۹) میں اپنے استاد نعیم بن حماد رحمہ اللہ سے اس طرح روایت کیا ہے:

عن عمرو بن ميمون قال رايت فی الجاهلية قردة اجتمع عليها قردة قد زنت فرجموها فرجمتها معهم.

''عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ جاہلیت میں مَیں نے دیکھا کہ ایک بندریا جس نے زنا کیا تھا دوسرے بندروں نے اکٹھے ہوکر اسے سنگسار کیا، میں نے بھی ان کے ساتھ اس بندریا کو سنگسار کیا۔''

منکرین حدیث اس حدیث کو بھی اپنے اعتراض کا موضوع بناتے ہیں اور حدیث کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا بندروں کے یہاں بھی نکاح وطلاق اور حدود وتعزیرات کا نظام لاگو ہے؟

پہلا جواب تو یہ ہے کہ بندروں کی شکل میں وہ جن تھے اور وہ بھی شریعت کے مکلّف ہیں۔ تورات میں رجم کا حکم تھا اور نص قرآنی سے ثابت ہے کہ جنوں کی ایک جماعت شریعت موسوی کی پابند تھی۔ (دیکھیے الاحقاف:۲۶)

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بندروں نے کسی بندریا کو اُس کی آوارگی پر پتھروں سے ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں یہ کون سی عجیب بات ہوگئی جسے عقل ومشاہدہ قبول نہیں کر سکتے۔ جبکہ ماہر عمرانیات کی تصریحات موجود ہیں کہ بندر کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کی سوچ بھی انسانوں سے مشابہت رکھتی ہے۔ جانوروں میں غیرت کا پایا جانا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے، لہٰذا اُنھیں بھی غیرت آتی ہے۔

اس واقعہ میں نصیحت یہ ہے کہ انسان کے اندر غیرت ہونی چاہئے کیوں کہ اس معاملے میں جانور بھی پیچھے نہیں ہیں اور سزائے رجم فطری سزا ہے کہ ایک حیوان اپنی نفسیاتی پاکیزگی کے لیے

رجم کرسکتا ہے تو کیا انسان کے لیے یہ سزا نامناسب ہے؟

تیسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعہ کا ذکر حیوان کو مکلّف ٹھہرانے کے لیے نہیں کیا بلکہ یہ ثابت کرنے کے لیے کیا ہے کہ عمرو بن میمون مخضرم تابعی ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے زیر بحث روایت کو التاریخ الکبیر میں عمرو بن میمون کے ترجمے کے تحت ذکر کیا ہے اور اہل فن اس سے بخوبی واقف ہیں کہ تراجم کی کتابوں میں احادیث وروایات کے ذکر سے ترجمہ ہی کے متعلق کوئی اطلاع بہم پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب مقاصد تراجم ابوابِ بخاری)



نبی ﷺ پر جادو اور اس کی نوعیت

حدیث سحر النبی ﷺ کی بابت معروض یہ ہے کہ یہ واقعہ صحیح بخاری میں منقول ہے۔لہٰذا اس کا انکار قرآن کا انکار ہے کیونکہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ ﴾

(۱۰/ یونس:۱۰۷)

''اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو سوائے اس کے، کوئی اسے دُور کرنے والا نہیں ہے۔''

آیت مذکورہ سے نبی اکرم ﷺ پر ضرر کے طاری ہونے کا امکان ثابت ہوتا ہے اور سحر بھی ایک ضرر ہے۔ چنانچہ سحر کے ضرر ہونے کی دلیل خود قرآن میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ یَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ ؕ ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۰۲)

''اور یہ (جادوگر لوگ) اس (جادو) کے ذریعے ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے۔''

آیت کے دونوں ٹکڑے بتا رہے ہیں کہ سحر ایک ضرر ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ سحر کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو عقل و تمیز اور قلب پر اثر کرتا ہے۔ دوسرا اُس کا اثر ظاہر اعضائے جسم پر ہوتا ہے پس نبی اکرم ﷺ پر جو سحر ہوا وہ دوسری قسم کا تھا۔ چنانچہ قاضی عیاض نے فرمایا:

ان السحر انما تسلط علی ظاهره و جوارحه لا علی قلبه و اعتقاده وعقله . (الشفا۲/ ۱۸۷)

''جادو کا اثر آپ (ﷺ) کے ظاہر اعضائے بدن پر ہوا تھا۔ نہ کہ آپ کے دل، اعتقاد اور عقل پر۔''

معلوم ہوا کہ سحر ایک مرض تھا، جس طرح اور امراض میں نبی اکرم ﷺ مبتلا ہوئے۔ سر میں درد ہوا، بخار آیا، زہر کا اثر ہوا، اسی طرح ایک بار مرضِ سحر میں بھی مبتلا ہوئے اور یہ سب لوازمات بشریہ میں سے ہیں۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ زادالمعاد میں لکھتے ہیں:

قد انكر هذا طائفة من الناس وقالوا:لايجوز هذا عليه وظنّوه نقصا و عيبا وليس الامر كما زعموا، بل هو من جنس ما كان يعتريه ﷺ من الاسقام والاوجاع وهو مرض من الامراض، واصابته به كاصابة بالسمِّ لافرق بينهما...... قال القاضی عياض: والسحر مرض من الامراض وعارض من العلل يجوز عليه ﷺ كانواع الامراض مما لاينكر ولا يقدح فی نبوته . (زادالمعاد۳/ ۷٦۷)

''لوگوں کی ایک جماعت نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کا تسلیم کرنا جائز نہیں۔ اسے یہ لوگ نقص اور عیب سمجھتے ہیں۔ (جو ایک نبی کی شان سے بعید ہے) حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا انھوں نے سمجھا ہے بلکہ وہ (سحر) ان امراض و بیماریوں اور تکلیفوں کی جنس سے ہے جو نبی ﷺ کو پیش آئیں۔ جس طرح آپ ﷺ پر زہر کا اثر ہوا اسی طرح سحر کا بھی ہوا۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں...... قاضی عیاض فرماتے ہیں: سحر ایک مرض ہے اور دیگر امراض کی طرح اس کا نبی ﷺ پر اثر کرنا جائز ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے آپ ﷺ کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔''

اور اس سحر کا مرض ہونا خود حدیث بخاری سے ثابت ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ دو فرشتوں میں سے ایک نے پوچھا:

((مَا وَجَعُ الرَّجُلِ؟ قَالَ: مَطْبُوْبٌ)) یعنی اس شخص کو کیا بیماری ہے؟

تو دوسرے نے کہا:((مَطْبُوْبٌ)) (بخاری، الطب، السحر، ح:٥٧٦٣)

''ان پر جادو ہوا ہے۔''

مختار الصحاح میں ہے:

الوجع المرض ۔طب لفظ لغات اضداد میں سے ہے،اس کے معنی داءاوردوا دونوں کے ہیں اور بمعنی جادو بھی آتا ہے۔پس معنی ہوئے کہ انھیں سحر کی بیماری ہے۔آخری روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَمَّا اَنَا فَقَدْ شَفَانِی اللّٰهُ))

(بخاری، بدأ الخلق، صفة ابلیس، ح:٣٢٦٨)

''اللہ نے مجھے شفا دے دی۔''

اور ظاہر ہے کہ شفا مرض ہی سے ہوتی ہے کیونکہ مرض کی ضد شفا ہے۔ظاہر ہے کہ مرض سے عصمت اور امور تبلیغی پر کوئی اثر،نقصان وغیرہ کا واقع نہیں ہوتا جیسے نیند یا بخار کی غفلت یا نسیان عارضی کا عصمت پر اور امور تبلیغی پر کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح کا سحر بھی ہے۔

مسحور:

نبی اکرم ﷺ کے حق میں جو مسحور کا لفظ اس آیت ﴿ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝٨ ﴾ (٢٥/ الفرقان:٨) (تم صرف ایک مسحور آدمی کی اتباع کر رہے ہو) میں آیا ہے۔چونکہ نبی اکرم ﷺ پر سحر تسلیم کرنے سے کفار کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

سوالِ اول کی دو شقیں ہیں:

۱: لفظ مسحور کی تحقیق جو قرآن میں وارد ہوا ہے۔

۲: حقیقت سحر النبی اور اس کا اثر۔

پس واضح ہو کہ قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی بابت مقولہ کفار ﴿ رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ دو مقامات (بنی اسرا ئیل،الفرقان) پر منقول ہے۔

میری تحقیق اس مسئلہ کے متعلق یہ ہے کہ قرآن مجید عرب کے محاورے میں نازل ہوا ہے

اورعرب العرباء کبھی اسم مفعول کے لیے اسم فاعل کا لفظ بولتے ہیں جیسا کہ خود قرآن میں ہے۔
عیشة راضیة بمعنی مرضیة ۔ مائدة بمعنی ممدوءة

اسی طرح کبھی اسم فاعل کے لیے اسم مفعول کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسے ملك مرطوب (تری والا ملک) مکان مهول (خوف دلانے والی جگہ) جارية مغنوجة (ناز کرنے والی لڑکی)

خود قرآن میں اس کی مثال ﴿حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾ (۱۷/ بنی اسراءیل :٤٥) ہے:

قال الاخفش: المستور ههنا بمعنى الساتر فان الفاعل قد تجيء بلفظ المفعول كما يقال انك لمشؤم علينا و ميمون وانما هو شائم و يامن .

اخفش کہتے ہیں کہ مستور سے یہاں ساتر (ڈھانپنے والا) مراد ہے، اسم فاعل کبھی مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے مشئوم شائم (نحوست والا) کے معنی میں جبکہ میمون یأمن (برکت والا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اسی طرح ہر دو مقام پر مسحور بمعنی ساحر ہے اور اس پر چند دلیلیں ہیں:

۱: کفار مکہ عام طور سے نبی اکرم ﷺ کو ساحر کہتے تھے نہ کہ مسحور، سورۂ یونس میں ان کا مقولہ نبی اکرم ﷺ کی نسبت ﴿لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (آیت ۲) منقول ہے اور سورۂ ص میں ﴿سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ (آیت ۴) ہے۔ پس بفحوائے تفسیر کلام اللہ اقرب الی الصواب (تفسیر کبیر جلد ۳) دونوں جگہوں میں مسحور بمعنی ساحر ہے۔

۲: سورۂ بنی اسراءیل میں موسیٰ علیہ السلام کی بابت بھی فرعون کا مقولہ یوں منقول ہے:
﴿اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا﴾ (آیت:۱۰۱)
''یقیناً میں تو تجھے اے موسیٰ! جادو زدہ سمجھتا ہوں۔''

حالانکہ سارے قرآن میں فرعون اور اس کی قوم کا مقولہ جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ وہ موسیٰ کو ساحر کہتے تھے۔ سورۃ الاعراف و سورۃ الشعراء میں ﴿لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ﴾ آیا ہے۔(دیکھیے

سورۃ الاعراف:۱۰۹؛ الشعراء:۳۴)

سورۃ المؤمن میں ﴿ سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ (آیت ۲۴) آیا ہے۔

سورۃ الذاریٰت میں ﴿ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴾ (آیت ۳۹) آیا ہے۔

سورۃ الزخرف میں ﴿ يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ﴾ (آیت ۴۹) منقول ہے۔

سورۃ طٰہٰ میں ﴿ بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴾ (آیت ۵۷) اور ﴿ اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ ﴾ (آیت ۶۳) آیا ہے۔

سورۃ طٰہٰ اور شعراء میں ﴿ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ (طـــــہ:٧١؛ الشعراء:٤٩) وارد ہے۔

پس جب فرعون اور اس کی قوم کے لوگ موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہتے تھے تو سورۃ بنی اسراءیل میں فرعون کے مقولہ منقولہ میں مسحور کو ساحر کے معنی میں لینا ہوگا۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کفار کا مقولہ جو ﴿ رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ (۱۷:۴۵) ہے۔ یہاں بھی مسحور کو ساحر کے معنی میں ماننا پڑے گا۔ فراء نحوی کا بھی یہی موقف ہے کہ یہاں مسحور بمعنی ساحر ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ فراء کہتے ہیں:

ان المسحور بمعنى الساحر كالمشئوم والميمون.

''مسحور ساحر کے معنیٰ میں ہے جیسے مشئوم اور میمون کے الفاظ ہیں۔''

پس جب مسحور بمعنی ساحر ہوا تو حدیث متفق علیہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا) اس آیت کے مخالف نہیں ہوئی اور نہ کوئی ظلم وکفر لازم آیا اور اگر کوئی صاحب محاورہ عرب سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے ان تینوں دلیلوں کو ماننے پر آمادہ نہ ہوں تو کم سے کم انھیں اپنے فہمیدہ معنی کی اصلاح کر لینی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ مسحور کے معنی ان مقامات میں (جادو کیا گیا) نہیں ہے بلکہ ''جادو دیا گیا''، یعنی کفار نے کہا کہ تم ایسے شخص کی پیروی کرو گے جسے جادو کا علم دیا گیا ہے۔ یعنی وہ ساحر ہے۔

چنانچہ مشہور مفسر علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ ابن جریر طبری نے کہا:

مـعـنـاه أُعطيت علم السحر فهذه العجائب التى تاتى بها من

ذلك السحر .

''مسحور کے معنی یہ ہیں تو جادو دیا گیا ہے۔ پس یہ عجائبات (معجزات) اسی جادو کا نتیجہ ہیں۔''

۳: نیز کفار نے نبی اکرم ﷺ کو بشر بھی کہا ہے:

﴿ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ (۱۷/ بنی اسراء یل:۹۴)

''انھوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ﴾ (٦٤/ التغابن:٦)

''تو اُنھوں نے کہا: کیا بشر ہماری راہنمائی کریں گے!''

لہٰذا آیت ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ ﴾ (۱۸/ الکھف:۱۱۰) (فرما دیجیے کہ مَیں تم جیسا ایک بشر ہی ہوں) اور حدیث ((اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی كَمَا تَنْسَوْنَ)) (مسلم، المساجد، السهو فی الصلاة...... ح:۵۷۲) (مَیں تو ایک بشر ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو مَیں بھی بھول جاتا ہوں) سے آپ ﷺ کا بشر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے چونکہ کفار کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا احادیث کے ساتھ ان آیات کو بھی نہیں ماننا چاہیے!

۴: کفار نے نبی اکرم ﷺ کو رسول بھی کہا:

﴿ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ (۱۷/ بنی اسراء یل:۹۴)

''اُنھوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾

(۲۵/ الفرقان:۷)

''اور اُنھوں نے کہا: اس رسول کو کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔''

آیت ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ (٤٨/ الفتح:۲۹) (محمد اللہ کے رسول ہیں) اور حدیث ((اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ)) (بخاری، الاذان، التشهد فی الاٰخرة ...... ح:۸۳۱) (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں) سے آپ ﷺ کا

رسول ہونا ثابت ہوتا ہے،اس سے چونکہ کفار کے قول سے اتفاق ہو جاتا ہے۔لہٰذا اِس آیت اور حدیث کو تسلیم نہیں کیا جائے گا!

۵: کفار نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کہا کہ وہ کھانا کھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سب باتوں پر فرماتا ہے:

﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ﴾

(۲۵/ الفرقان:۹)

''دیکھیے اُنھوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں،تو وہ گمراہ ہو گئے، پس اب وہ کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔''

لہٰذا آیت ﴿ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ ﴾ (۵/ المائدۃ:۷۵) (وہ دونوں کھانا کھاتے تھے)اور حدیث عن ابی ایوب کان رسول الله ﷺ اذا اُتی بطعام اکل منه (مسلم، الاشربة، اباحة اکل الثوم......ح:۲۰۵۳) (ابوایوب سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کھانا لایا گیا تو آپ نے تناول کیا) سے آپ ﷺ کا کھانا کھانا ثابت ہے۔اس سے چونکہ کفار کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ضلالت قرار دیا ہے، لہٰذا یہ آیت اور حدیث ناقابل تسلیم ہیں!ورنہ پھر تو الزامِ کفار کو غلط نہیں کہا جا سکے گا۔



نبی ﷺ پر جادو کو قرآن کے خلاف قرار دینے کی مغالطہ انگیزی (از شہباز حسن)

نبی اکرم ﷺ پر جن احادیث میں جادو کیے جانے کا بیان ہے۔ انھیں منکرین حدیث خلافِ قرآن کہہ کر بہت اچھالتے ہیں۔ اس پر کبھی ''اصل بات تو وہ ہے جو قرآن کے خلاف نہ ہو' کا عنوان قائم کرتے ہیں اور کبھی 'آپ ﷺ پر جادو ہونے کے سلسلے میں بخاری کی تفصیل اور قرآن کی تردید' کی سرخی جماتے ہیں۔ اور یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم نے مخالفین کو لاجواب کر دیا ہے لہٰذا وہ ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں جیسا کہ اس عنوان سے ظاہر ہے: قرآن کی بات اگر دلائل و براہین سے پیش کی جائے تو پھر وہ تو چپک جاتی ہے۔

(مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسراءیل) ص:۲۳۲)

﴿ اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ (۱۷/ بنی اسراء یل:۴۷)

کی وضاحت میں اس بات پر منکرین حدیث بہت زور دیتے ہیں کہ ''کفار کا قول ہے'' ''قرآن خود یہ بتا رہا ہے کہ کفار کا قول تھا'' ''قرآن کی اس کی نفی کر رہا ہے یہاں یہ کفار کا قول بتا رہا ہے۔'' کفار کا حضور ﷺ کے خلاف یہ قول ہے کہ ﴿ رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ (۱۷/ بنی اسراء یل : ۴۷) ہے۔'' وغیرہ۔ (ایضاً ص: ۲۳۲-۲۳۳)

جس سے وہ یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ قول کفار کے مطابق آپ رجل مسحور تھے جبکہ حدیث میں بھی آپ کو رجل مسحور بتایا گیا ہے تو اس طرح تو یہ کفار کے قول کی تصدیق یا موافقت ہوئی۔ غلام احمد پرویز لوگوں سے دریافت کرتے ہیں:

''آپ کو معلوم ہے عزیزان! کہ آپ کے ہاں کا عقیدہ کیا ہے اور کہاں سے وہ آیا ہوا ہے۔ بخاری شریف میں حضورؐ کے متعلق یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر معاذ

اللہ ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا۔ آپ اس جادو کے اثر میں آ گئے تھے اور کیفیت یہ تھی کہ آپ کو یاد ہی نہیں رہتا تھا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے یا نہیں کیا۔ حتیٰ کہ یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے نماز بھی پڑھ لی یا نہیں۔'' اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے'' قرآن اس کی نفی کر رہا ہے۔ یہاں پہ کفار کا قول بتا رہا ہے۔ عزیزانِ من! آپ کی معتبر ترین کتاب بخاری کی ہے۔ اس میں یہ چیز ہے کہ رسول ﷺ کے اوپر کسی یہودی نے جادو کر دیا تھا اور بڑی لمبی تفصیل ہے کہ جادو کیسے کر دیا تھا، کس طرح سے آپ کی یہ کیفیت ہوگئی تھی آپ ﴿ رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ معاذ اللہ! بن گئے تھے۔ پھر کس طرح سے یہ پتا لگایا، کس طرح سے لوگوں کو وہاں بھیجا یہاں وہ تعویذ کالا جادو کیا ہوا کنویں میں سے نکالا، پھر اس کا اثر زائل ہوا۔ یہ ساری تفصیل دی ہوئی ہے۔ یہاں قرآن یہ کہتا ہے کہ کفار کا حضور ﷺ کے خلاف یہ قول ہے کہ وہ ﴿ رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ ہے اور یہ کالا جادو لگائے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔'' (ایضاً)

حضور ﷺ پر جادو کیے جانے کے سلسلے میں پرویز کسی بھی قسم کی مفسرین کی پیش کردہ Justification ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اس حدیث کا انکار کیوں کرتے ہیں! اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے:

''اس سے اس لیے انکار ہے کہ اول تو بہر حال عقل و بصیرت کی بناء پر یہ چیز آ جاتی ہے۔ عقیدت و احترام کو تو چھوڑیے، عزیزانِ من! خالص اس بناء پر یہ لیجیے کہ جو شخص دنیا کے اندر اتنا عظیم انقلاب پیدا کرتا ہے، لاکھوں انسانوں کے دل کے اندر اور پھر باہر کی دنیا کے اندر بھی اتنا عظیم انقلاب پیدا کرتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے۔ جادو کا مارا ہوا اِنسان خود تو وہ کسی اور کے لیے یہ کچھ کرنا ایک طرف رہا، اپنے لیے بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ جسے یہ بھی یاد نہ رہا ہو کہ میں نے نماز بھی پڑھ لی یا نہیں، وہ اتنی عظیم مملکت کا بھی انتظام کر لے گا؟ کتنے عظیم انسانوں کے قلب و نگاہ کی دنیا کو بدل کے رکھ دے گا۔ کیا وہ ﴿ رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ ہوگا؟ معاذ اللہ! نہیں، قطعاً نہیں۔'' (ایضاً ص: ۲۳۳)

''دلائل وبراہین'' کی بات کرتے ہوئے پرویز صاحب گویا ہوئے:

میری تو سند یہ ہوتی ہے کہ کیا قرآن کریم یہ کچھ کہتا ہے یا یہ کفار مخالفین آپ کے خلاف آ کر اس قسم کی کفر کی باتیں کرتے تھے کہ یہ ﴿ رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ ہے؟ یہ ان پہ جادو کر دیا؟ قرآن خود یہ بتا رہا ہے کہ کفار کا قول تھا۔ آپ ہم سے کہتے ہیں کہ مانیے کہ ہاں آپ ﴿ رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ تھے اس پر کوئی کیا کرے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ نہ کوئی دلیل ہے، نہ کوئی برہان ہے، نہ محفوظ بات کو رد کر سکتے ہیں۔ (مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل) ص:۲۳۳)

آگے چل کر پرویز پوچھتے ہیں: اس پر بخاری کی اس حدیث کو کوئی کیا کرے۔

(ایضاً ص:۲۳۴)

احمد مصطفیٰ مراغی بھی حضور ﷺ پر سحر کے اثرات کی نفی اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے تو مشرکین کا قول ﴿ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ (۱۷:۴۷) درست ثابت ہوتا ہے۔ (تفسیر المراغی: جزء۳۰ص:۲۶۸)

سید قطب نے اس سلسلے کی احادیث کو اِس لیے بھی ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ هـــذه الـروايات تخالف اصل العصمة النبوية فى الفعل والتبليغ ''یہ روایات فعل وتبلیغ میں عصمت نبوت کے منافی ہیں۔''(سيـد قـطب : ١٠/ ٢٩٤ ، مطبعة عيسى البابى الحلبى ، مصر)

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جادو کیے جانے کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔ یہ احادیث صحیح بخاری، مسلم، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث کئی مقامات پر آئی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا اور کیفیت یہ ہوئی کہ نبی ﷺ سمجھنے لگے کہ فلاں کام آپ نے کر لیا ہے حالانکہ وہ کام آپ نے نہیں کیا تھا اور نبی ﷺ نے اپنے رب سے دعا کی تھی، پھر آپ نے فرمایا: تمھیں معلوم ہے، اللہ نے مجھے وہ بات بتا دی ہے جو میں نے اس سے پوچھی تھی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ خواب کیا ہے؟

فرمایا: میرے پاس دو مرد آئے اور ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کے پاس۔ پھر ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا:

ان صاحب کی بیماری کیا ہے؟

دوسرے نے جواب دیا، ان پر جادو ہوا ہے۔

پہلے نے پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟

جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے۔

پوچھا: وہ جادو کس چیز میں ہے؟

جواب دیا کہ کنگھی پر کھجور کے خوشہ میں۔

پوچھا: وہ ہے کہاں؟

کہا کہ ذروان میں اور ذروان بنی زریق کا ایک کنواں ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لے گئے اور جب عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دوبارہ واپس آئے تو فرمایا:

واللہ! اس کا پانی تو مہندی سے نچوڑے ہوئے پانی کی طرح تھا اور وہاں کے کھجور کے درخت شیطان کے سر کی طرح تھے۔

بیان کیا کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انھیں کنویں کے متعلق بتایا۔

میں نے کہا: اللہ کے رسول! پھر آپ نے اسے نکالا کیوں نہیں؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے اللہ نے شفا دے دی اور میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ لوگوں میں ایک بری چیز پھیلاؤں۔ (بخاری، الدعوات ۸۰، تکریر الدعاء ۵۷، ح:۶۳۹۱، نیز دیکھیے الطب ۷۶، السحر ۴۷، ح: ۵۷۶۳، ھل یستخرج السحر ۴۹، ح:۵۷۶۵، ح:۵۷۶۶، الادب ۷۸، ۵۶، ح:۶۰۶۳، الجزیۃ والموادعۃ ۵۸، ھل یعفی عن الذمی اذا سحر ۱۴، ح:۳۱۷۵، مسند احمد ۶/ ۵۷، ۶۳ـ۶۴، ۹۶)

اس روایت میں ''آپ کو خیال گزرتا''، ''ان صاحب کی بیماری کیا ہے؟'' اور ''اللہ نے

مجھے شفا دے دی ہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جادو سے صرف جسمانی تکلیف ہی محسوس کرتے تھے۔یعنی جادو کا اثر صرف آپ ﷺ کی ذات تک ہی محدود تھا،نبوت ورسالت اس اثر سے محفوظ تھی۔آپ ﷺ نے جادو کے اثر سے کوئی شرعی حکم یا عمل ترک نہیں کیا۔ پرویز نے جو صحیح بخاری کے حوالے سے یہ کہا کہ آپ کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ ''حتیٰ کہ یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے نماز پڑھ لی یا نہیں'' یہ وہی ''علمی دیانت'' ہے جس کا مظاہرہ وہ اکثر اپنی تالیفات میں کرتے رہتے ہیں۔نبی ﷺ پر جادو کے اثر کرنے کی بنیاد پر انھوں نے ''جادو کا مارا ہوا انسان'' کے الفاظ غلو ومبالغہ آرائی کرتے ہوئے استعمال کیے ہیں۔جوکہ علمی خیانت ہے۔

حالانکہ اس سلسلے کی بخاری کی کسی بھی حدیث میں اس بات کا تذکرہ موجود نہیں کہ آپ کو نماز پڑھنے نہ پڑھنے کا بھی یاد نہیں رہتا تھا۔اوپر بیان کردہ حدیث میں ''آپ سمجھنے لگے کہ فلاں کام آپ نے کرلیا ہے حالانکہ وہ کام آپ نے نہیں کیا تھا'' کا تذکرہ ہوا ہے۔ایک حدیث بخاری میں کان یخیل الیه انه صنع شیئا ولم یصنعه(ح:٣١٧٥) کے الفاظ ہیں۔

بخاری کی باقی احادیث میں بھی اسی سے ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں۔ایک حدیث میں یخیل الیه انه یاتی اهله ولا یاتی (ح: ٦٠٦٣) کے الفاظ آئے ہیں۔بخاری کی ایک اور حدیث میں حتی کان یری انه یاتی النساء ولا یاتیهن (ح: ٥٧٦٥) کے الفاظ ہیں،لیخیل الیه انه یفعل الشیء وما فعله (ح: ٥٧٦٦) کے الفاظ ایک حدیث میں موجود ہیں۔

اس معنی ومفہوم کے الفاظ مسند احمد میں ہیں۔(مسند احمد ٦/ ٥٧، ٦٣، ٩٦)

ان حوالہ جات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ پر جادو کا اثر جسمانی حد تک تھا روحانیت اس سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔اسی لیے آپ کی دعوت وتبلیغ کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا،یہی وجہ ہے کہ عام لوگ آپ ﷺ پر جادو کیے جانے کے واقعہ سے واقف تک نہ تھے۔امہات المؤمنین میں سے بعض اس سحر کے اثرات سے واقف تھیں۔جب یہ اثرات جسم کی حد تک تھے تو سحر کے نبی ﷺ پر اثر کر جانے کو عصمت نبوت کے منافی کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے!

پھر یہ بات قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے کہ وحی الٰہی میں کوئی شیطانی اثر نہیں ہوسکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ﴾

(۲۲/ الحج :۵۲)

''اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ جب کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا تو جو شیطان ڈالتا ہے اللہ اسے دُور کرتا ہے پھر اللہ اپنی آیات کو مضبوط کر دیتا ہے۔''

لہٰذا رسول پر جو بھی جسمانی عوارض طاری ہوں ان سے وحی الٰہی اور احکام ربانی کو نقصان پہنچنے کا کوئی احتمال نہیں، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ جادو شریعت کے احکام پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوا۔ بلکہ یہ اثر محض آپ کی ذاتی حیثیت تک محدود رہا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس وقت تک آدھے سے زیادہ قرآن نازل ہو چکا تھا۔ عرب کے لوگ اس وقت دو متوازی فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ جن میں ایک فرقہ یا تو مسلمان تھا یا مسلمانوں کا حلیف اور دوسرا فرقہ ان کے مخالف۔ اگر اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر شریعت میں اثر انداز ہوتا۔ یعنی کبھی آپ نماز ہی نہ پڑھاتے یا ایک کے بجائے دو پڑھا دیتے یا قرآن کی آیات خلط ملط کر کے یا غلط سلط پڑھتے یا کوئی اور کام شریعت منزل من اللہ کے خلاف سرزد ہوتا تو دوست و دشمن سب میں یعنی پورے عرب میں اس کی دھوم مچ جاتی۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ایک بھی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں یہ اشارہ تک بھی پایا جاتا ہو کہ اس اثر سے آپ کے شرعی اعمال وافعال میں کبھی حرج واقع ہوا ہو۔'' (مولانا عبدالرحمٰن کیلانی: آئینہ پرویزیت، ص: ۲۷۷، ط: ۴، ۲۰۰۴ء، مکتبۃ السلام، وسن پورہ لاہور)

اگر جسم پر سحر کے اثر کی وجہ سے عصمت نبوت پر حرف آتا ہو تو موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا اثر نہ ہوتا جبکہ یہ بات تو قرآن سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ ﴾ (۲۰/ طٰهٰ: ٦٦-٦٨)

''موسیٰ نے کہا: تم ہی ڈالو۔ ڈالتے ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے آنے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں تو موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا، ہم نے کہا: خوف نہ کرو۔''

معلوم ہوا موسیٰ علیہ السلام کے جسم پر جادو کا اثر ہو گیا تھا مگر جادو کی وجہ سے کفار ان پر غالب نہ آ سکے تھے۔ اسی طرح جادو کرنے سے یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب نہیں آ گئے تھے بلکہ مسلسل دشمنانِ پیغمبر ذلیل سے ذلیل تر ہوتے گئے۔

آیات مذکورہ میں موسیٰ علیہ السلام کے لیے يُخَيَّلُ اِلَيْهِ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور بالکل یہی الفاظ اوپر بیان کردہ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آئے ہیں۔ اگر جادو کے اثر ہونے سے موسیٰ علیہ السلام کو رجل مسحور کہنا درست نہیں تو پیغمبر علیہ السلام کو بھی ﴿ رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ کہنا درست نہیں جیسا کہ پرویز باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی فرعون نے مسحورا کا لفظ استعمال کیا تھا:

﴿ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ ﴾

(۱۷/ الاسراء: ۱۰۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی انھوں نے مسحورا کا لفظ استعمال کیا تھا:

﴿ اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ ﴾

(۱۷/ الاسراء: ٤٧)

دوسری آیت میں یہ الفاظ ہیں:

﴿ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾

(۲۵/ الفرقان :۸)

فرق صرف اتنا باقی رہ جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر جو جادو کا اثر (**یخیل الیہ**) ہوا تھا اس کا ذکر قرآن میں ہے جبکہ نبی اکرم ﷺ پر جو جادو کا اثر (**یخیل الیہ**) ہو گیا تھا، اس کا تذکرہ احادیث نبویہ میں ہے۔ مگر پرویز صاحب کہتے ہیں:

بخاری کی اس حدیث کو کوئی کیا کرے۔

(مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسراء یل) ص: ۲۳٤)

کیا انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پرویز کو یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ موسیٰ ﷺ کو مسحورا کہنے کا قول تو کفار کا تھا لہٰذا قرآن کی ان آیات کو کوئی کیا کرے جو یہ بیان کرتی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے جسم پر جادو کا اثر ہو گیا تھا اور وہ ڈر گئے تھے؟؟

عبداللہ بن علی نجدی قصیمی لکھتے ہیں:

فتغیر قدامه الاشیاء ویظنها علی غیر ما هی علیه فالاٰیة مثل الحدیث (عبدالله بن علی النجدی القصیمی: مشکلات الاحادیث النبویة وبیانها، ص: ٥٦، ط: ١٤٠٦ھ/ ١٩٨٦ء، المجلس العلمی السلفی، لاھور)

''موسیٰ علیہ السلام کے سامنے چیزوں کی ماہیت بدل گئی پس آیت حدیث کی طرح ہے۔''

پرویز نے جس انداز سے احادیث سحر کی تردید کی ہے، اس سے تو قرآن کی تردید کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ حدیث کی مخالفت میں ایسا ہونا بعید بھی نہیں ہے۔

حدیث بخاری کو قرآن کے خلاف قرار دینے سے پہلے اگر پرویز نے ''**خالی الذهن**'' ہو کر **رجلا مسحورا** اور اس جیسی دیگر آیات کے سیاق وسباق پر غور کیا ہوتا تو اُن پر ان الفاظ کے کہنے کا مقصد واضح ہو جاتا ہے اور وقتی طور پر جسم پر جادو کے اثر کر جانے اور مسحور ہونے کا فرق بھی کھل جاتا ہے۔

کفار نے جو نبی اکرم ﷺ یا دیگر انبیاء کو مسحور یا مسحّر کہا تو اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ انبیاء

کی نبوت کا دعویٰ جادو کے اثر کی وجہ سے ہے۔ وہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے پیش کردہ شرعی احکام یا معجزات کو جادو کا کرشمہ سمجھتے تھے۔ مثلاً جب ﴿ تِسۡعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ﴾ (نو واضح نشانیاں) کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو فرعون نے آپ کو مسحورا (جادوزدہ) کہا تھا۔(۱۰۱:۱۷)

حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم کو دعوت توحید دی تو قوم نے ﴿ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ ۝ ﴾ (۱۵۳:۲۶) کے الفاظ سے انہیں جادوزدہ قرار دیا۔ اور ان کی نبوت کو اس لیے نہ مانا کہ ﴿ مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۚ ﴾ (۱۵۴:۲۶) ''تم اور کچھ نہیں ہماری طرح کے آدمی ہو۔''

اسی طرح کا جواب حضرت شعیب علیہ السلام کو اُن کی قوم نے دیا تھا۔(۱۸۵:۲۶۔۱۸۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی جہاں مسحورا کا لفظ آیا ہے وہاں یہی بات تھی کہ وہ لوگ آپ کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور آپ کی تعلیمات کو جادو کا کرشمہ قرار دیتے تھے۔ توحید الٰہی کا بیان سن کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور سرگوشیاں کرتے تھے کہ تم تو مسحورا آدمی کی پیروی کرتے ہو لہٰذا وہ گمراہ ہو گئے۔ (دیکھیے الاسراء ۱۷: ۴۶، ۴۸)

دوسرے مقام پر تو اور بھی صراحت سے یہ بات بیان کی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کفار جو طرح طرح کے الفاظ استعمال کرتے تھے تو ان کا مقصد یہ تھا کہ ایسا شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَيَمۡشِىۡ فِى الۡاَسۡوَاقِ‌ ؕ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِيۡرًا ۝ اَوۡ يُلۡقٰٓى اِلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ تَكُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاۡكُلُ مِنۡهَا‌ ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ۝ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا ۝ ﴾

(۲۵/ الفرقان: ۷۔۹)

''اورانھوں نے کہا یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ساتھ ہدایت کرنے کو رہتا، یا

اس کی طرف خزانہ اتارا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا اور ظالموں نے کہا کہ تم تو ایک جادوزدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔ دیکھو تو یہ تمھارے بارے میں کس کس طرح کی باتیں کرتے ہیں سو گمراہ ہوگئے اور راستہ نہیں پاسکتے۔''

تو کیا کفار کا نبی اکرم ﷺ کا معاذ اللہ ﴿رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ کہنا اور مسلمانوں کا معتبر احادیث کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ پر سحر کا جسمانی اور وقتی اثر تسلیم کرنا ایک جیسا ہے؟ بینهما بعد ساشع

یہاں ایک اور چیز بھی قابل غور ہے۔ نبی ﷺ کو سحر کی وجہ سے بعض چیزیں یاد نہیں رہتی تھیں یہ کیفیت چند ماہ میں کبھی کبھی ہو جاتی تھی جبکہ سحر کے بغیر بھی انبیاء و رسل علیہم السلام کا نسیان ثابت ہے۔ وحی خفی کے انکار کے وقت منکرین حدیث ایسے دلائل کے انبار جمع کر دیتے ہیں تاکہ اپنا مقصود حاصل کریں۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے نَسِيْتُ (۱۸ / الکھف:٦٣ ، ٧٣) ''میں بھول گیا'' کا لفظ استعمال کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی یوشع بن نون دونوں کے لیے نسیا (۱۸/ الکھف: ٦١) (وہ دونوں بھول گئے) کا لفظ قرآن میں آیا ہے۔ آدم علیہ السلام کے لیے نَسِيَ (طٰہٰ ۲۰: ١١٥) ''وہ بھول گیا'' کا لفظ قرآن میں ہے جبکہ نبی اکرم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ (۱۸/ الکھف: ٢٤) اور ﴿فَلَا تَنْسٰى﴾ (۸۷/ الاعلیٰ : ٦) فرما کر اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کا استثناء کر کے نسیان کا اثبات کیا۔ مولانا عبداللہ بن علی القصیمی لکھتے ہیں:

فما كان جوابا لهم عن النسيان كان جوابا لنا عن السحر

(مشكلات الاحاديث النبوية وبيانها ، ص:٥٣)

''جو جواب ان کا نسیان کے بارے میں ہوگا وہی ہمارا جواب سحر کے بارے میں ہوگا۔''

انبیاء و رسل علیہم السلام کے نسیان کے باوجود تبلیغ رسالت میں کوئی حرف نہیں آیا اور نہ کوئی خلل واقع ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی مسلسل راہنمائی اور حفاظت کرتا تھا۔ اس لیے اگر ان سے کبھی کوئی لغزش ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی فوراً تصحیح کر دیتا۔

نبی اکرم ﷺ بھی بعض دفعہ بھول جاتے تھے مگر اس نسیان کی وجہ سے کوئی شرعی حکم متاثر نہیں ہوا، بلکہ آپ کے نسیان میں بھی امت کے لیے مکمل اسوہ حسنہ بننے کی حکمت موجود ہوتی تھی کہ امت بھی کسی عمل کی ادائیگی بھول جائے تو اسی طرح کرے جیسے پیغمبر ﷺ نے کیا تھا۔ بھولنے پر آپ کی کسی نہ کسی ذریعے سے یاددہانی ہو جاتی تھی۔ اسی طرح حالت سحر میں بھی آپ کا بھول جانا تبلیغ رسالت میں مخل نہیں ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری اپنے مقالے ''رسول اکرم ﷺ پر سحر کی حقیقت اور مفسرین'' کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مفسرین کرام نے عمل سحر کے اثرات کی مطلقاً نفی نہیں کی۔ ہاروت ماروت کا جادو سکھانے کا واقعہ اور ساحرین فرعون کے جادو کے اثرات اثبات سحر کی نقلی دلیل ہیں۔ عقل وقیاس بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام کو زخم، بیماری اور بچھو کا کاٹنا تکلیف دے سکتا ہے تو جادو کے اثر سے جسمانی یا روحانی اذیت پہنچنا بھی ایسا ہی عمل ہے۔ ساحرین فرعون کے عمل سحر سے دیگر لوگوں کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی خوف طاری ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی اور کہا کہ تم جو تمھارے داہنے ہاتھ میں ہے اسے پھینکو، یہ سب کچھ نگل جائے گی۔

احمد مصطفیٰ المراغی، سید قطب شہیدؒ اور امین احسن اصلاحی نے حضور اکرم ﷺ پر جادو کو عصمت انبیاء کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں جو احادیث ہیں وہ عام طور پر خبر احاد ہیں۔ لیکن خود انہی بزرگوں نے کسی حد تک رسولِ اکرم ﷺ پر جادو کے اثرات کو درست بھی تسلیم کیا ہے۔

سید قطبؒ حضور اکرم ﷺ پر جادو کی روایات میں سے کچھ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ تو اگر یہ متعدد روایات ہیں اور صحاح ستہ کی اکثر کتب میں مستند طور پر روایت کی گئی ہیں تو پھر ان کی صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

محترم اصلاحی صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انبیاء کرام پر جادو کے اثرات عارضی طور پر ہو سکتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عام طور پر جو مفسرین کرام حضور ﷺ سحر کی نفی کرتے ہیں۔ وہ اسے یکسر رد نہیں کرتے۔''

احادیث کی حیثیت کے بارے میں ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:

''جہاں تک احادیث کے خبرِ احاد ہونے کا تعلق ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ خبر احاد کو محض اس لیے رد نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی حیثیت خبرِ واحد کی ہے۔ خبرِ واحد کو ان بزرگوں نے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ سب کی صحت پر اعتراض نہیں کیا۔ جہاں تک عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے، وہ اس سحر کے اثر سے متاثر نہیں ہوتی۔ حضور اکرم ﷺ پر جادو کے اثرات جسمانی و ذاتی اور باطنی حد تک تھے۔ ان اثرات کو صرف حضور ہی محسوس کر رہے تھے۔ کسی اور پر ہرگز ظاہر نہ ہوتے تھے۔ البتہ جب آپ ﷺ نے بی بی عائشہ کے سامنے تفصیل بیان کی اور کنویں میں سے موادِ سحر کو نکالا گیا۔ تب اکثر لوگوں کو پتا چلا۔

جب تک آپ پر جادو کا اثر رہا آپ جسمانی و ذہنی کرب و تکلیف محسوس فرماتے رہے لیکن کسی فریضہ کی ادائیگی میں کوئی کمی بیشی واقع نہ ہوئی۔'' (پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری، رسول اکرم ﷺ پر سحر کی حقیقت اور مفسرین، محدث (ماہنامہ) ص:۶۱، فروری ۱۹۹۰ء)

اس ساری بحث سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ منکرین حدیث احادیث کو رد کرنے کے لیے جس طرح انھیں قرآن کے خلاف قرار دیتے ہیں اسی انداز کو اگر وہ قرآن میں جاری و ساری کریں تو بہت سی آیات متضاد قرار پا کر ان کے نزدیک کالعدم ہو جائیں۔ ہاں اگر محدثین کے اصول پر چلیں تو کوئی بھی صحیح حدیث انھیں قرآن سے متصادم نظر نہیں آئے گی، بلکہ اکثر احادیث تفسیر القرآن بالحدیث کے اصولِ تفسیر میں قدم قدم پر فہم قرآن میں مدد کریں گی، مگر منکرین حدیث اور غلام احمد پرویز کے نزدیک صرف وہی حدیث صحیح ہو سکتی ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔ اس لیے تفسیر القرآن بالحدیث میں پرویز بعض احادیث بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ جو اُن کے فہمِ قرآن کی تائید کرتی ہیں یا جن سے (بزعم خویش) مخالفین کو لا جواب کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تفسیر میں جو احادیث وہ بیان کرتے ہیں وہ صرف اپنے مطلب کی حد تک لیتے ہیں ورنہ اصول محدثین کے مطابق وہ کسی بھی حدیث کو تسلیم نہیں کرتے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا پی ایچ ڈی کا مقالہ: عربی لغت سے استدلال۔ اردو تفسیری ادب کے رجحانات)

دجال

منکرین حدیث واقعہ دجال کوایک فسانے سے تعبیر کرتے ہیں، جبکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بہت سی احادیث میں اپنی امت کو مسیح دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے اور بتایا ہے کہ یہ روئے زمین کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا جس سے ہر ایک مسلمان دوچار ہوگا۔ مسیح کا مطلب ہے ممسوح العین کیونکہ اس کی ایک آنکھ نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دجال کو قتل کریں گے کیونکہ عربی میں کہا جاتا ہے:

مَسَحَ اللّٰه العِلَّةَ عن العليل ''اللہ نے بیمار کو بیماری سے شفا دی۔''

چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عیسیٰ علیہ السلام مریض پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اور مسح فلانا بالسيف کا مطلب ہے قتل کرنا۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اسی وجہ سے انھیں مسیح کہا گیا ہے، اور عربی میں مسیح کانا کو بھی کہتے ہیں۔ چونکہ دجال کانا ہوگا۔ (بخاری، الفتن، ذکر الدجال، ح:۷۱۳۱) اسی وجہ سے اسے مسیح کہا جاتا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی ایک جزیرے پر جا پہنچی۔ یہ جزیرہ قبرص (Cyprus) کے قریب تھا۔ اس جزیرے پر انھوں نے ایک جانور جساسہ دیکھا جس کا چہرہ انسان کا چہرہ تھا اور بدن پر بال بہت زیادہ تھے۔ مگر پتا نہ چلتا تھا کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ اس کے بعد دجال کو دیکھا، جو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

(مسلم، الفتن، قصة الجساسة، ح:۲۹٤۲)

دجال یہودیوں میں سے ہوگا۔ یہ ایران کے شہر خراسان سے نکلے گا، بعض کہتے ہیں کہ اصفہان سے نکلے گا۔ یہ بھی خراسان ہی کے قریب ہے اور ستر ہزار یہودی اس کے ساتھ ہو جائیں گے جو دجال کا لشکر ہوں گے۔ ان کے جسموں پر طیالسہ یعنی طیلسانی (ہرے رنگ جیسے) کپڑے ہوں گے۔ (مسلم، الفتن، فی بقية من احاديث الدجال، ح:۲۹٤٤)

دجال کے ہاتھوں بہت سی خرق عادت چیزوں کا ظہور ہوگا وہ ویران جگہ سے خزانہ نکال دے گا۔ مردے کو بظاہر زندہ کردے گا۔ جنت وجہنم دکھائے گا مگر اس کی جنت جہنم ہوگی اور جہنم جنت ہوگی۔ جب یہ نکلے گا تو پہلے ایمان اور عمل صالح کی دعوت دے گا مگر بعد میں نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر (کافر) لکھا ہوا ہوگا جسے نہ صرف پڑھا لکھا ان پڑھ مسلمان بھی پڑھ لے گا البتہ کافر ومنافق نہ پڑھ سکیں گے۔ (اگر چہ وہ کتنے ہی پڑھے لکھے ہوں۔)

پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، وہ دمشق (شام) میں منارۂ شرقیہ کے پاس اتریں گے۔ مہدی کا ظہور ہوگا جو نبی کے خاندان سے ہوں گے۔ وہ زمین کو عدل وسلامتی سے بھردیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور مہدی شریعت محمدیہ کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام دجال کا پیچھا کریں گے اور اسے فلسطین کے ایک مقام باب لد کے پاس قتل کریں گے۔ (دیکھیے بخاری، الفتن، ذکر الدجال، ح:۷۱۳۰، ۷۱۳۱؛ مسلم، الفتن، ذکر الدجال، ح:۲۹۳۷)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا ذکر فرمایا مگر دجال کا نام ذکر نہیں فرمایا!

جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اشارتاً اس کا ذکر فرمایا ہے:

﴿يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا﴾

(٦/ الانعام:١٥٨)

''جس دن آپ کے رب کی کچھ نشانیاں ظاہر ہوں گی تو کسی کو اُس وقت ایمان لانا فائدہ نہ دے گا۔''

اس آیت کی تفسیر ایک حدیث اس طرح کرتی ہے:

ثلاث اذا خرجن یعنی تین چیزوں کا جب ظہور ہوگا تو کسی کو اُس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے۔ ایک ہے سورج کا مغرب سے نکلنا، دوسرا دابۃ الارض کا نکلنا، تیسرا دجال کا نکلنا۔

(ترمذی، التفسیر، و من سورۃ الانعام، ح:۳۰۷۲)

نسخ

منکرین حدیث قرآن میں نسخ کے بھی قائل نہیں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ (٢/ البقرة: ١٠٦)

''جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں۔''

قرآن میں نسخ کا بین ثبوت ہے۔

ملحوظه: ......نسخ شیعہ کے عقیدے "عقیدۂ بدا" کے خلاف ہے۔ بدا کا مطلب ہے کہ پہلے کوئی حکم دیا پھر اس حکم میں کسی غلطی یا نقصان کا علم ہوا تو اسے بدل دیا۔ بدا کے مفہوم میں غلطی اور خطا داخل ہے۔

نسخ کا مطلب ہے کہ ایک حکم کا زمانہ ختم ہو جائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آ جائے تو پہلے حکم کو بحکمت بالغہ دوسرے حکم سے بدل دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور اس کی کتاب قرآن بھی حکمت والی کتاب ہے۔ ایک حکیم کسی مریض کے مرض کی تشخیص کے بعد جب اس کا علاج کرتا ہے تو مریض کی حالت جیسے جیسے بہتر ہوتی جاتی ہے وہ دوا بدلتا جاتا ہے۔ مرض کی ابتداء سے لے کر انتہا تک ایک ہی دوا دیتے جانا حکمت کے خلاف ہے۔

نسخ سابقہ شریعتوں میں بھی رہا ہے۔ جیسے بہن بھائیوں کی شادی شریعتِ آدم علیہ السلام میں جائز تھی، بعد میں حرام ہو گئی۔

اسی طرح شریعت یعقوب علیہ السلام میں دو سگی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح درست تھا بعد میں اسے حرام قرار دیا گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ذبح کا حکم دیا پھر ذبح سے پہلے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

قانون الٰہی کے نسخ میں انسانوں کے لیے بہت سی مصلحتیں ہیں۔کوئی قانون کسی سبب کے تحت کوئی حکم نافذ کرتا ہے مگر جب سبب زائل ہوجاتا ہے تو اس حکم کو اٹھالیا جاتا ہے۔ ❶

نبی اکرم ﷺ نے پہلے قربانیوں کے گوشت کے ادّخار (ذخیرہ کرنے) سے منع فرمایا تھا مگر جب صحابہ میں معاشی خوشحالی آئی تو اس حکم کو منسوخ کردیا۔(دیکھیے مسلم، الاضاحی، بیان ما کان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی......، ح:۱۹۶۹، ۱۹۷۰، ۱۹۷۱، ۱۹۷۲)

قرآن میں شراب کی حرمت کے نزول میں تدریج درحقیقت اسی حکمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

نسخ کبھی صریحی، کبھی ضمنی، کبھی کلی اور کبھی جزئی ہوتا ہے۔قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ایک مثال کو ذہن میں رکھنا کافی ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ ۚ اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝١٨٠﴾

(۲/ البقرۃ:۱۸۰)

''تم پر فرض کردیا گیا، جب تم میں کسی کو موت آ پہنچے، اگر اس نے کوئی مال چھوڑا ہو، اچھے طریقے کے ساتھ وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے، متقی لوگوں پر یہ لازم ہے۔''

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ انسان مرتے وقت ماں باپ کے لیے ترکے میں وصیت کرسکتا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے آیت میراث ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ﴾ (٤/ النساء:١١) میں یہ حکم منسوخ کردیا۔ یہ آیت پہلی آیت کے لیے ناسخ ہے اور پہلا حکم منسوخ ہے، جمہور کی رائے یہی ہے۔

❶ وحی بند ہونے کے بعد اگر کسی حکم کا سبب بالفرض زائل بھی ہوجائے تو وہ حکم باقی رہے گا، کیونکہ اسے ختم کرنے کا اختیار امت میں سے کسی کے پاس بھی نہیں، اور نہ اس کی جگہ پر کوئی نیا حکم دیا جاسکتا ہے، کیونکہ منسوخ کرنا اور ناسخ لانا وحی کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔جیسا سورۃ البقرۃ (آیت ۱۰۶) میں واضح کیا گیا ہے۔(شہباز حسن)

ظہورِ مہدی

ظہورِ مہدی اسلامی عقیدے کا ایک جزو ہے۔اس کے بارے میں احادیث نبویہ تواتر کے درجے تک پہنچ چکی ہیں۔حوت بیروتی ،رشید رضا ،فرید وجدی وغیرہ اور مشہور مستشرق گولڈزیہر جیسے لوگوں نے ظہور مہدی کا انکار کیا ہے۔انھوں نے بڑے شدومد کے ساتھ اس کی تردید کرنے کی کوشش کی ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام ہی مہدی منتظر ہیں۔جبکہ اسلامی عقیدے کی رُو سے میں وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذریت اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے ہوں گے۔ان کا نام محمد یا احمد بن عبداللہ ہوگا۔وہ جب آئیں گے تو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور ظلم وجور کا خاتمہ ہوجائے گا۔مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ کوئی صدقہ لینے والا نہ ہوگا۔

مہدی کی پوری دنیا میں بطورِ خاص عرب پر سات سال حکومت رہے گی۔مہدی کی وفات کے بعد زمام خلافت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہوگی۔اور انہی کے دور میں یاجوج وماجوج کا ظہور ہوگا اور انہی کی دعا سے یاجوج وماجوج ہلاک ہوں گے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مہدی منتظر کے متعلق احادیث کی تعداد پچاس ہے۔جن میں کچھ صحیح ،کچھ حسن درجہ کی اور کچھ ذرا ضعیف ہیں۔مہدی کے متعلق روایت کرنے والے صحابہ کی مجموعی تعداد ۲۶ ہے۔اور اس متعلق کم وبیش ۲۸ آثار بھی ہیں۔

مہدی کوئی ذاتی نام نہیں ہوگا ، بلکہ لغوی معنیٰ ''ہدایت یافتہ'' کے ہوں گے۔ان کے ظہور کی کسی حتمی تاریخ اور دن کی صراحت نہیں ملتی۔ہاں اس وقت روئے زمین پر عدل وانصاف نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔چاروں طرف ظلم وجور اور جبر واستبداد کا دَور دورہ ہوگا۔اس وقت لوگ مہدی کے منتظر ہوں گے۔رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ان کی علامات دیکھ کر انھیں پہچان لیا جائے

گا۔اور پھر ان پر بیعت کا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔

اس وقت مسلم حکومت جس کا دارالخلافہ دمشق ہوگا اسے اپنے خلاف بغاوت سمجھ کر مہدی سے لڑنے کے لیے نکلے گی۔اور مکہ سے پہلے ہی ایک مقام بیداء میں ایک آدمی کو چھوڑ کر سارا لشکر دھنس جائے گا۔(مسلم، الفتن، الخسف بالجیش الذی......، ح:۲۸۸۲۔۲۸۸٤) وہی آدمی واپس جا کر اس واقعہ کی صحیح اطلاع دے گا۔پھر یہ خبر پوری دنیا میں پھیل جائے گی۔اور سب لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ حقیقت میں مہدی منتظر یہی ہیں۔اور لوگ جوق در جوق چل کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔بیعت کی شروعات رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان سے ہوگی۔مہدی کو خود علم نہ ہوگا کہ وہ مہدی ہیں، یہاں تک کہ لوگ خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔وہ خود خلافت کے دعوے دار نہ ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میرے اہل بیت میں سے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی خلافت کا انتظام ایک ہی رات میں کر دے گا۔

(ابن ماجة، الفتن، خروج المهدی، ح:٤٠٨٥)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مہدی ہم میں سے ہوں گے جن کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز پڑھیں گے۔(ابو نعیم فی کتاب المهدی و ذکره المناوی فی فیض القدیر، وهو صحیح ،اس سے ملتی جلتی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے،دیکھیے مسلم، الایمان، نزول عیسی بن مریم......ح:١٥٦)

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے پابند بن کر اتریں گے۔کوئی نیا دین لے کر نہیں آئیں گے نہ عیسائیت ہی کے مبلغ ہوں گے۔

سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور اسلام غالب آ جائے گا۔

اللهم اعز الاسلام و المسلمين



مولف کی تحریری کاوشیں

۱۔ احسن الجدال بجواب راہ اعتدال
۲۔ ردتقلید/ تقلید کی شرعی حیثیت (تخریج شدہ)
۳۔ رفع الشکوک والاوہام بجواب ۱۲ مسائل ۲۰ لاکھ انعام
۴۔ دل (قلب) ۵۔ تفسیر آیت الکرسی
۶۔ تفسیر سورۃ اخلاص ۷۔ عورت اور اسلام
۹۔ پیارے نبی ﷺ کی پانچ پیاری نصیحتیں
۱۰۔ مختصر تاریخ اہل حدیث
۱۱۔ یا ایھا الذین اٰمنوا کی تفسیر
۱۲۔ حجیت حدیث دررد موقف انکار حدیث
۱۳۔ گناہوں کی بخشش کے دس اسباب (زیر طبع)
۱۴۔ اپنے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ۱۰ وصیتیں (زیر طبع)
۱۵۔ مقاصد وتراجم ابواب بخاری (زیر طبع)
۱۶۔ نکات قرآن (۲ جلدیں۔ایک ہزار صفحات) (زیر طبع)

مولف کی ویب سائٹ: www.Jalaluddinqasmi.com

مولانا محمد ارشد کمال کی تحریری کاوشیں

۱۔ عذاب قبر کتاب وسنت کی روشنی میں (مطبوع)
۲۔ سیدنا ثعلبہ بن حاطب درعدالت انصاف (مطبوع)
۳۔ نیکیوں کو برباد کرنے والے اعمال (مطبوع) ۴۔ گناہوں کو مٹانے والے اعمال (مطبوع)
۵۔ استقامت دین (مطبوع) ۶۔ تحفۃ السالکین (مطبوع)
۷۔ تفسیر سورۃ الحجرات (سوالاً جواباً) (مطبوع) ۸۔ حاضری نماز (مطبوع)
۹۔ عذابِ قبر، قرآن مجید کی روشنی میں (مطبوع) ۱۰۔ تخریج احادیث مشکوۃ المصابیح (مطبوع)
۱۱۔ اسلامی مہینے اور ان کا تعارف (مطبوع) ۱۲۔ المسند فی عذاب القبر (مطبوع)
۱۳۔ القول القوی فی نقد الرجال (زیر طبع) ۱۴۔ ترجمہ قرآن مجید (زیرِ طبع)
۱۵۔ ہفتے کے دن اور ان کا تعارف (مطبوع)

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن کی تحریری کاوشیں

۱۔ فتاویٰ افکارِ اسلامی، ۳۱۳ سوالات کے جوابات (مطبوع)
۲۔ تفسیر معارف البیان، سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ (۱۔۵۰ آیات کی تفسیر) (مطبوع)
۳۔ مظلوم صحابیات رضی اللہ عنھن، ظلم و ناانصافی کا شکار ہونے والی عورتوں کے لیے اسوہ صحابیات سے راہنمائی (مطبوع)
۴۔ شوقِ عمل، ارکانِ اسلام کی ترغیب (مطبوع)   ۵۔ شوقِ جہاد (مطبوع)
۶۔ سجدۂ تلاوت کے احکام اور آیاتِ سجدہ کا پیغام (مطبوع)
۷۔ پریشانیوں اور مشکلات کا حل (حافظ حمزہ کاشف/شہباز حسن) (مطبوع)
۸۔ بدعات کا انسائیکلوپیڈیا (قاموس البدع کا ترجمہ واستدراک) (مطبوع)
۹۔ صداقت نبوتِ محمدی (دلائل النبوۃ از ڈاکٹر منقذ بن محمود السقار کا ترجمہ وتعلیق) (مطبوع)
۱۰۔ غسل، وضو اور نماز کا طریقہ مع دعائیں (الوضوء و الغسل و الصلاۃ کا ترجمہ وتعلیق) (مطبوع)
۱۱۔ مقامِ قرآن (میاں انوار اللہ/شہباز حسن) (مطبوع)
۱۲۔ عُلوم اسلامیہ (پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسرائیل فاروقی/شہباز حسن) (مطبوع)
۱۳۔ اسلامی تعلیمات (پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسرائیل فاروقی/شہباز حسن) (مطبوع)
۱۴۔ جہنم اور جہنمیوں کے احوال (النار حالها و احوال اهلها کا ترجمہ وتعلیق) (مطبوع)
۱۵۔ خوش نصیبی کی راہیں (طریق الهجرتین از حافظ ابن قیم کا ترجمہ اور تلخیص وتعلیق) (مطبوع)
۱۶۔ تفسیر میں عربی لغت سے استدلال کا منہج (اسلامیات میں پی ایچ ڈی کا مقالہ (زیرِ طبع)
۱۷۔ جنت میں خواتین کے لیے انعامات (احوال النساء فی الجنۃ کا ترجمہ وتعلیق) (مطبوع)
۱۸۔ اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات اور اعمال و آداب، شرح اربعین نووی (زیرِ طبع)
۱۹۔ فرقہ پرستی کے اسباب اور ان کا حل (الافترق۔اسبابها و علاجها کا ترجمہ وتعلیق) (زیرِ طبع)
۲۰۔ دنیا ڈھلتی چھاؤں (الدنیا ظل زائل کا ترجمہ) (زیرِ طبع)   ۲۱۔ اصول الکرخی (ترجمہ) (مطبوع)
۲۲۔ التأثیر الاسلامی فی شعر حالی (عربی زبان وادب میں عربی مقالہ) (زیرِ طبع)
۲۳۔ انسان اور قرآن (میاں انوار اللہ/شہباز حسن) (زیرِ طبع)

نظر ثانی شدہ کتب

۱۔ اردو ترجمہ قرآن مجید از مولانا محمد ارشد کمال   ۲۔ صحیح ابن خزیمہ (ترجمہ وشرح)
۳۔ مشکوٰۃ المصابیح (ترجمہ)   ۴۔ حدیث اور خدام حدیث از میاں انوار اللہ
۵۔ الاسماء الحسنیٰ از میاں انوار اللہ   ۶۔ المسند فی عذاب القبر از مولانا محمد ارشد کمال
۷۔ عذاب قبر، قرآن کی روشنی میں از مولانا ارشد کمال   ۸۔ ذکر اللہ کے فوائد از پروفیسر عنایت اللہ مدنی
۹۔ تقلید کی شرعی حیثیت از حافظ جلال الدین قاسمی   ۱۰۔ حقانیت اسلام، از پروفیسر محمد انس
۱۱۔ منکرینِ حدیث کی مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات از حافظ جلال الدین قاسمی